مقائسۂ ارمغانِ حجاز، فارسی

بیاض اور مطبوعہ نسخوں کا تقابلی مطالعہ



ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

مقائسۂ ارمغانِ حجاز، فارسی

(بیاض اور مطبوعہ نسخوں کا تقابلی مطالعہ)

ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

دارالنوادر

الحمد مارکیٹ سیکنڈ فلور اردو بازار لاہور:۸۸۹۸۶۳۹ ۰۳۰۰

نام کتاب: مقالہ "ارمغان حجاز، فارسی"

مصنفہ: ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

ناشر: دار النوادر

بار اول ۲۰۰۷ء

بار دوم ۲۰۱۹ء

مطبع: عمیر عثمان، شفیق پریس، لاہور

والدہ محترمہ کی علم دوستی
کے نام

ترتیب

تعارف

تدوین اور مقابلۂ متن، تحقیق کے دو اہم شعبے ہیں، جو بہت حد تک باہم مربوط بھی ہیں، اور ایک دوسرے سے مشروط بھی۔ قدیم زمانے میں اختلاف نسخ ایک قدرتی امر تھا، کیونکہ تمام تصانیف دست نویس ہوتی تھیں۔ متونِ کتب میں ایسا اختلاف جو نسخہ نویس (کاتب) کی غلطی کا نتیجہ ہو، تصحیف کہلاتا تھا۔ اسلامی مشرقی علوم میں یہ ایک اہم اصطلاح ہے، جس کے ذریعے کسی خاص متن میں کاتب کی ارادی یا غیر ارادی غلطی کی نشاندہی کی جاتی تھی اور کتاب کے ایک سے زیادہ نسخوں کے متن کا موازنہ اور اختلافی صورتوں کی نشاندہی اس کا طریقہ کار تھا۔ خطیب بغدادی نے کفایہ میں تصحیف کا وجود تسلیم کیا ہے۔ طباعت اور اشاعت کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی ایک ہی کتاب کی مختلف طباعتوں میں اختلافِ متن کا وقوع ایک عام سی بات ہے۔ اہلِ تحقیق مقابلہ (موازنہ یا مقابلۂ) متن کو بہت اہمیت دیتے ہیں، اس لیے کہ کسی کتاب کے صحیح متن تک رسائی بعض اوقات محقق اور نقاد دونوں کے لیے اہم ہو جاتی ہے۔

حضرت علامہ اقبال کی شعری اور نثری تصنیفات کو ہمارے ادب میں جو اہمیت حاصل ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ان کے کلام کو آج بھی لاکھوں انسانوں نے حرزِ جاں بنا رکھا ہے۔ نصابی اور تخلیقی اداروں اور عمومی تحقیق و تنقید کے اقبالیاتی شعبوں کی تمام سرگرمی کا انحصار تصانیفِ اقبال کے گراں قدر متون کے مطالعے پر ہے۔ ارمغانِ حجاز اور باقیاتِ اقبال کے استثنا کے ساتھ علامہ اقبال کی تمام تر تصانیف ان کے حینِ حیات شائع ہوئیں، اس لیے ان کے متون کو مصنف کی طرف سے استناد کا درجہ حاصل ہے۔ لیکن ارمغانِ حجاز جو ان کی آخری شعری تصنیف ہے اور ان کی وفات کے کئی ماہ بعد شائع ہوئی، صحتِ متن کے سلسلے میں اقبالیات کے طالب علموں کو بعض مشکلات سے دوچار کرتی ہے۔ یہ معلوم حقیقت ہے کہ ارمغانِ حجاز کی تدوین علامہ اقبال کے

دست راست چودھری محمد حسین کے ہاتھوں ہوئی۔ خوش قسمتی سے ارمغانِ حجاز کی بیاض (علامہ اقبال کی اپنی دست نویس) محفوظ ہے اور ارمغانِ حجاز کی اولیں طباعت اور مذکورہ بیاض میں ایک سے زیادہ مقامات پر اختلافِ متن موجود ہے۔ اسی طرح اولیں مطبوعہ نسخے اور بعد کی مختلف طباعتوں میں بھی یہی صورت حال ہے! اس اختلافِ متن کی وجوہات کیا ہیں؟ اس پر غور کرنے سے پہلے اہم کام یہ تھا کہ اختلافِ متن کی تمام صورتوں کو سامنے لایا جائے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ بیاضِ اقبال کے ساتھ ساتھ ارمغان حجاز کی تمام اہم طباعتوں تک رسائی حاصل کی جائے۔ کام مشکل تھا، لیکن بقولِ اقبال: ہمت کے شناور کو بھنور بھی ہے کنارا۔ یونیورسٹی اورینٹل کالج شعبۂ اردو کی جواں سال محقق اور ممتاز استاد محترمہ بصیرہ عنبرین کی علمی اولوالعزمی اور تحقیق کی لگن نے اس مشکل کام کو آسان کر دکھایا۔ ان کا یہ تحقیقی کام جس میں انھوں نے ارمغانِ حجاز کی اولیں طباعت کو اصل مان کر اس کا موازنہ بیاضِ اقبال اور کتاب کی دوسری طباعتوں کے ساتھ کیا ہے، ان کے ایم۔ اے فارسی کا تھیسس ہے، جس کا اصل عنوان ہے "مقائسۂ ارمغان حجاز (چاپی) با دستنویس آں۔" ایم۔ اے اردو کی طرح ایم۔ اے فارسی بھی انھوں نے امتیازِ خصوصی کے ساتھ پاس کیا۔ اس سے قبل وہ ایم۔ اے اردو کے لیے "اقبال کی تضمینات" پر ایک قابلِ قدر مقالہ لکھ چکی تھیں، موجودہ کام ان کے تحقیقی کاموں میں بے حد اہمیت کا حامل ہے۔

اس سلسلے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ فارسی کی وہ رباعیات جو ارمغانِ حجاز کا حصہ نہ بنیں، یا نہ بن پائیں، ان کی تدوین بھی ان کے ہاتھوں انجام پا گئی ہے، جو میرے خیال میں بہت اہم کام ہے، اور صرف اسی کام کی تکمیل پر ہی انھیں ہدیۂ تبریک پیش کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ اقبال کی وہ رباعیات یا دوبیتیاں جن کے وجود و عدم کے بارے میں آج تک کوئی تذکرہ کہیں نہیں ہوا تھا، پہلی بار اقبالیات کے طالب علموں اور نقادوں کے سامنے آ رہی ہیں، ان دوبیتیوں میں بعض ایسی خوبصورت اور دلآویز دوبیتیاں بھی ہیں جن کو پڑھ کر خیال آتا ہے کہ کاش یہ بھی ارمغان کا حصہ ہوتیں۔ بہر حال ان کی دریافت ہی ایک بڑا کام ہے۔

ڈاکٹر بصیرہ عنبرین جو اردو اور فارسی زبان و ادبیات پر ماہرانہ دسترس کا ثبوت دے چکی ہیں۔ عصر حاضر کی علمی دنیا میں روشن مستقبل کی حامل دکھائی دیتی ہیں، ان کی متانت، محنت کی خو، اور موضوع سے لگن ـــــ اور ان سب سے بڑھ کر ایک خالصتاً علمی اور تحقیقی اپروچ، انھیں ان کے

اقران و معاصرین میں ممتاز کرتی ہے۔ ان کا موجودہ کام اقبالیات کے تحقیقی شعبے میں ایک اہم اور مستقل اضافے کی حیثیت رکھتا ہے، اور یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ علمی دنیا اسی حیثیت سے اس کی پذیرائی کرے گی۔

اس کتاب کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت وہ چار مقالات ہیں جو کتاب کے آغاز و انجام میں شامل کیے گئے ہیں، یوں تو یہ "چہار مقالہ" بذاتِ خود بھی ایک داخلی وحدت کا حامل ہے، لیکن مقالات کی اہمیت یوں بھی ہے کہ ان کا تعلق اصل کتاب کے موضوع کے ساتھ ساتھ پس منظری مباحث سے بھی ہے، ان میں دو مقالے بطور خاص رباعی اور دوبیتی کی بحث سے تعلق رکھتے ہیں، اُردو نقد و تحقیق کی دنیا میں اس بحث کا آغاز ارمغانِ حجاز کی اشاعت سے ہوا، اقبال سے قبل صرف بابا طاہر عریاں کی دوبیتیاں تھیں جن کو رباعیات کہا گیا تھا۔ رباعی اور دوبیتی میں قدرِ مشترک چار مصرعوں پر مشتمل ہونا ہے، اور اس میں بھی شک نہیں کہ اقبال کو بابا طاہر عریاں کی دوبیتیوں کی بحر اتنی پسند آئی کہ انھوں نے قطعات کے لیے اسی کو اختیار کر لیا، اور غالباً بابا طاہر عریاں ہی کے تتبع میں انھیں رباعیات کا عنوان بھی دیا، زیرِ نظر کتاب کی فاضل مصنفہ نے اس موضوع پر دو اہم اور گرانقدر مقالات سپردِ قلم کیے ہیں، یعنی: "اقبال کی دوبیتی۔ ایک تحقیقی مطالعہ" اور "رباعی، دوبیتی اور بابا طاہر کی شاعری"۔

ہر دو مقالات کا بنیادی موضوع رباعی اور دوبیتی کے اوزان کی بحث ہے، جس میں بعض بے حد بیش قیمت نکات سامنے آ گئے ہیں، شاید ایک اہم پہلو ان مقالات کا یہ بھی ہے کہ ان کی بدولت ایران کے چوٹی کے نقادوں اور علمائے بلاغت کے خیالات سامنے آ گئے ہیں، مصنفہ نے شمس الدین فقیر کے خیالات کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے، اور اردو کے اہم ترین نقادوں اور محققین کی آرا کو بھی جن میں اہم ترین نام علامہ نجم الغنی رامپوری (بحر الفصاحت) علامہ سید سلیمان ندوی (خیام) اور علامہ محمود شیرانی (تنقید شعر العجم) ہیں، حدائق البلاغہ (شمس الدین فقیر) کا اصل فارسی متن بھی مصنفہ کے سامنے رہا ہے ___ اور اس کا اردو ترجمہ بھی! غرض رباعی اور دوبیتی کے حوالے سے بیشتر اہم مباحث بصیرہ صاحبہ نے ان دو مقالوں میں اپنے تنقیدی تبصروں کے ساتھ پیش کر دیے ہیں، ان مباحث کو غیر معمولی 'بصیرت' کے ساتھ سمیٹا گیا ہے، جس پر مصنفہ بجا طور پر مبارک باد کی مستحق ہیں۔ دوسرے دو مقالے "باقیاتِ ارمغانِ حجاز (فارسی)" اور

"ترمیمات ارمغانِ حجاز (فارسی)" ہیں، یہ مقالات بھی کسی طرح کم اہم نہیں، بالخصوص "باقیات ارمغانِ حجاز" کو ان کا خاص تحقیقی کارنامہ قرار دیا جانا چاہیے۔ ان مقالات میں محترمہ بصیرہ عنبرین نے (اصل کتاب کی طرح) جس متانتِ فکر اور تحقیقی لگن کا مظاہرہ کیا ہے، وہ یقیناً قابلِ داد ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اپنے بیش قیمت "چہار مقالہ" کے ساتھ یہ تصنیف لطیف تحقیق و تنقید کی دنیا میں ایک نیا معیار قائم کرے گی۔

ڈاکٹر اسلم انصاری

پیش لفظ

فکرِ اقبال کی تفہیم اور ترویج کے لیے کلامِ اقبال کی ترتیب و تدوین سب سے بنیادی کام ہے ـــــ اسی خیال کے پیشِ نظر میں نے ایم۔اے، فارسی کے مقالے کے لیے "مقابلہ ارمغان حجاز (چاپی) با دست نویس آن" کا موضوع منتخب کیا۔ فارسی زبان میں لکھا گیا یہ مقالہ اپنی اولین حیثیت میں تدوینی صورت رکھتا ہے اور علامہ اقبال کے آخری مجموعہ کلام ارمغانِ حجاز کی بیاض اور اس کی تین اہم اشاعتوں یعنی ارمغانِ حجاز مطبوعہ شیخ اشرف پرنٹرز، شیخ غلام علی اینڈ سنز اور اقبال اکادمی پاکستان کے باہمی موازنے و مقائسے پر مبنی تھا جس میں پہلے نسخے مطبوعہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۸ء کے متن کو بطور بنیادی متن کے اختیار کیا گیا تھا ـــــ بعد ازاں میں نے اس مقالے کو کتابی شکل میں پیش کرتے ہوئے چند تحقیقی و تنقیدی مضامین کا اضافہ کیا اور اس مفصل تقابلی مطالعے کے آغاز میں بالترتیب دو تحقیقی مضامین "رباعی، دوبیتی اور بابا طاہر کی شاعری" اور "اقبال کی دوبیتی ـــــ ایک تحقیقی مطالعہ" پس منظری مطالعے کے طور پر رقم کیے۔ اسی طرح آخر میں اس تحقیق کی روشنی میں دو مضامین "ترمیماتِ ارمغانِ حجاز، فارسی" اور "باقیاتِ ارمغانِ حجاز، فارسی" شامل کیے تا کہ یہ مطالعہ ایسا مکمل اور مربوط انداز اختیار کر سکے کہ بیک وقت تدوین، تنقید اور تحقیق کی ایک امتزاجی صورت نظر آئے۔ توقع ہے کہ اقبالیاتی اور تحقیقی حلقوں میں میری اس کاوش کو پذیرائی ملے گی۔

جیسا کہ ذکر ہوا کہ اس کتاب کے بعض اجزا میرے ایم۔اے (فارسی) کے تحقیقی مقالے کی صورت میں تحریر ہوئے جو شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور کے استاد جناب ڈاکٹر معین نظامی کی نگرانی میں مکمل ہوا۔ میں اس رہنمائی کے لیے ڈاکٹر صاحب کی شکر گزار ہوں۔ استاد الاساتذہ محترم ڈاکٹر وحید قریشی صاحب اور معروف دانشور ڈاکٹر اسلم انصاری کی بھی ممنون

ہوں، جن کی قیمتی آرا نے اس کتاب کو معنویت عطا کی ہے۔ استاد گرامی ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب نے مطالعۂ متن کے ضمن میں بعض مشکل مقامات پر رہنمائی فرمائی، جس کے لیے میں ان کی شکرگزار ہوں۔ نیز جناب ڈاکٹر محمد سلیم مظہر صاحب (ڈین کلیہ علوم شرقیہ) کی بھی ممنون ہوں جن کے زمانۂ صدارت (شعبہ فارسی) میں مجھے یہ مقالہ تحریر کرنے کا موقع ملا۔

اس موقع پر مجھے استاد گرامی نوازش علی مرحوم بہت یاد آ رہے ہیں جنھوں نے مجھے زبانِ فارسی کی طرف متوجہ کیا، میرے ذوق کی آبیاری کی اور اپنی سحر انگیز شخصیت کے توسط سے زندگی کے کئی روشن اور مثبت پہلوؤں سے آشنا کرایا۔ وہ ایک کامیاب استاد تھے اور اس کا ثبوت ان کے وہ لاتعداد باذوق شاگرد ہیں جن کے دلوں میں زبانِ فارسی کے لیے کشش ہے۔ نوازش صاحب خوش گفتار، خوش فکر، اور خوش معاملہ انسان تھے۔ ان کے ہونٹوں پر ہمیشہ تبسم رقصاں رہتا اور زبان سے ہر کسی کے لیے کلماتِ خیر ہی نکلتے۔ میرے لیے یہ امر باعثِ افتخار ہے کہ مجھے ایک ایسے استاد کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا جو فارسی زبان کے حقیقی خادم تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو بلند درجات عطا فرمائے!

یہاں محترمہ عقیلہ سعید صاحبہ کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ جنھوں نے مجھے زمانۂ طالب علمی میں فنِ عروض سے متعارف کرایا، جس کے باعث میں تدوینِ شعر پر مبنی یہ کام انجام دے پائی۔

پروفیسر ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

ا۔ رُباعی، دوبیتی اور باباطاہر کی شاعری

لفظ 'رباعی' عربی مادے 'ربع' سے نکلا ہے اور اس میں 'ی' نسبتی ہے۔(۱) لغوی اعتبار سے اسے چار سے مرکب، چار اجزا والا (۲)، چار چار (۳)، چار والے (۴)، چہار پارہ، چہار بر، چہار واتی (۵)، چہارگانی (۶)، چہارگان، ہر چیزی کہ چہار جزء داشتہ باشد (۷)، آنچہ کہ از چہار جزو تشکیل شدہ، چہار تایی (۸)، منسوب بہ رباع مرادف اربعہ، اربعہ بہ معنی چہارتایی یا چہارگانی (۹) کے معنوں میں مستعار لیا جاتا ہے۔

اصطلاحاً رباعی ایک مختصر صنف شعر ہے جو دراصل مخصوص بحر کے "چوبیس اوزان میں سے کسی ایک یا زیادہ (تا چہار) وزن میں کہی ہوئی چار مصرعوں والی نظم (ہوتی ہے) جس کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافیہ ہو (تیسرے میں ہو یا نہ ہو)" (۱۰) اور "چونکہ یہ چار مصرعوں سے مرکب ہوتی ہے، اس لیے اس کو رباعی کہتے ہیں...... گویا (یہ) چار مصرعوں کی مختصر نظم ہوتی ہے مگر اس کوزے میں سمندر بند ہوتا ہے، بڑے سے بڑا فلسفیانہ خیال، دقیق سے دقیق اخلاقی نکتہ اور پیچیدہ سے پیچیدہ صوفیانہ مسئلہ جو صفحوں اور دفتروں میں نہیں سماتا، ان دو سطروں میں پورا کا پورا ادا ہو جاتا ہے۔" (۱۱) یہ صنف سخن مردّف اور غیر مردّف ہو سکتی ہے۔ "تسلسل بیان اور خیال کے تدریجی ارتقا کے خوبصورت اظہار کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ رُباعی کے چاروں مصرعے زنجیر کی کڑیوں کی طرح باہم مربوط ہوں۔ الفاظ وتراکیب کا انتخاب موضوع کی مطابقت سے ایسا برمحل ہو کہ اس سے بہتر کا تصور ہی نہ ہو سکے۔ پہلے مصرعے میں مناسب الفاظ کے ساتھ خیال کو روشن کرایا جائے، دوسرے اور تیسرے مصرعے میں اس کے خدوخال کچھ اور نمایاں کیے جائیں اور چوتھے مصرعے میں مکمل خیال کو ایسی برجستگی اور شدت کے ساتھ سامنے لایا جائے کہ سننے والا مسحور و متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس طرح رُباعی کے پہلے تین مصرعے گویا رُباعی کے مجموعی شاعرانہ حسن واثر کے لیے ایک ایسی لطیف اور سادہ فضا تیار کرتے ہیں جس سے سامع اکثر بے خبر

رہتا ہے لیکن یہ سادہ و پرکار فضا جب چوتھے مصرعے میں ڈرامائی انداز سے سامنے آتی ہے تو بڑی جرأت آزما بن جاتی ہے۔''(۱۲) لہٰذا ''چوتھا مصرع نہایت خوبی کے ساتھ ہونا چاہیے جس سے تینوں مصرعوں میں جان پڑ جائے''(۱۳) یوں سمجھ لیجیے کہ ''رباعی کے پہلے تین مصرعے سیڑھیوں کی حیثیت رکھتے ہیں جو قاری کو بتدریج ایک ایسی بلندی کی طرف لے جاتے ہیں جہاں چوتھا مصرع اپنا بھرپور جلوہ دکھاتا ہے۔ رُباعی کے چوتھے مصرعے کو سلام سندیلوی نے تین مصرعوں کا نچوڑ، امداد امام اثر نے تینوں مصرعوں کا خلاصہ، احسن مارہروی نے رُباعی کی جان، ضیا بدایونی نے حاصل رُباعی اور حمید عظیم آبادی نے کڑی کمان کا تیر قرار دیا ہے۔''(۱۴) نیز ''رُباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے چونکہ ہم قافیہ ہوتے ہیں اس لیے اصطلاحاً وہ 'مقفیٰ مصرعے' یا 'مقفّٰی مصرعے' کہلاتے ہیں۔''(۵۱)

بدیع و قافیہ میں رباعی کے اصطلاحی معنی یوں متعین کیے گئے ہیں:

''شعری دارای چہار مصراع کہ مانند دو بیتی ھای قدیم مصرعہای اول و دوم و چہارم آن بیک قافیہ بود و شاعر در قافیہ مصرع سوم آزاد باشد۔ از نظر وزن رُباعی مرکب از دوازدہ ہجاست کہ تا ہجای یازدہم و دوازدہم بلندی باشد۔ بنابراین بر وزن لاحول ولاقوۃ الا باللہ باشد در می آید.....''(۱۶)

اسی طرح حسیم لکھتا ہے:

" A quatrain composed of two distichs, or four hemistichs, three of which, namely the first, second and fourth, rhyme together. Each hemistich is of the measure تن تن تتتن تن تتتن تن تتتن (tan-tan-tatatan-tan-tatatan-tan-tatatan) as the famous Robaiyyat of the poet Omar Khayam....."(17)

شمس الدین فقیر کے مطابق:

''.....رُباعی کا وزن بحر ہزج کے ساتھ ہے اور اس میں نو زحاف آتے ہیں اور بہ سبب ان زحافوں کے چوبیس وزن حاصل ہوتے ہیں، پس اس سے معلوم ہوا کہ جو چار مصرعے ان چوبیس وزن میں سے کسی وزن پر ہوں گے ان کو رُباعی کہیں گے۔ نہ مطلق چار مصرع کو اور نہ اُن چار مصرع کو کہ کسی اور وزن پر ہوں جیسے کہ طریقہ عوام کا ہے کہ جب دو بیت اس طرح کی کہ مصراع اول اور دوم اور چہارم ہم قافیہ ہوں دیکھتے ہیں، اس کو رباعی کہہ دیتے ہیں۔''(۱۸)

فرہنگِ طلائی ___ المعجم الذھبی سے رُباعی کے اصطلاحی معنی دیکھیے:

"شعر یشمل اربعة مصاریع، المصراع الاول والثانی والرابع بقافیة واحدة والثالث مخالف، و وزن کل مصراع: 'لاحول ولاقوۃ الا باللہ' دوبیتی 'علی وزن مخالف" (۱۹)

بقول زین العابدین مؤتمن:

"رباعی و دوبیتی شعری را گویند کہ بنای آن چار مصراع متحد الوزن باشد۔ گاہی ہر چہار مصراع و اغلب سہ مصراع اول دوم و چہارم ہم قافیہ اند، تصریع بیت اول و پیروی مصراع آخر از قافیہ بیت اول ضروری و تصریع بیت دوم اختیاری است۔ این دو قسم شعر ہر یک وزن مخصوص بخود دارد کہ خروج از آن جائز نیست و در صورتیکہ چہارم مصراع با شرایط فوق در وزنی غیر از وزن مخصوص رباعی و دوبیتی سرودہ شود، دیگر نام رُباعی و یا دوبیتی بر آن اطلاق نمی شود، فرق رُباعی و دوبیتی تنہا در وزن است....." (۲۰)

حسن انوشہ کے نزدیک:

"رباعی..... از قالب ھای شعر فارسی کہ از چہار مصراع (دو بیت) تشکیل شدہ باشد و قافیہ باید در مصراع ھای اول، دوم و چہارم رعایت شود، اما رعایت قافیہ در مصراع سوم اختیاری است......

در آغاز، شاعران گرایش بیشتری بہ رعایت قافیہ در مصراع سوم داشتند، اما رفتہ رفتہ، مصراع سوم از قید قافیہ آزاد شد۔ تفاوت رُباعی با دوبیتی در وزن آن است، زیرا رُباعی ہم وزن با جملہ 'لاحول ولاقوۃ الا باللہ' است و بہ گونہ ھای متعددی تقسیم می شود۔ عروض دانایان کہن وزن رُباعی را از متفرعات بحر ہزج (مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن) می دانستہ اند و برای آن ۲۴ گونہ وزن یافتہ اند (شجرۂ اخرب و اخرم)۔ این گونہ ھا را نیز بہ دو دستۂ دوازدہ تایی تقسیم کردہ اند کہ در یک دست، مصراع با 'مفعول' آغاز می شود و در دستۂ دیگر با 'مفعولن'....." (۲۱)

رباعی کی صُوری حالت اور اس کی بحر و وزن پر مختلف اشارات کرتے ہوئے زیادہ تر محققین فن نے اس کا خاص اور معروف وزن 'لاحول ولاقوۃ الا باللہ' (مفعول مفاعیل مفاعیلن فاع) قرار دیا ہے، مثلاً چند آرا دیکھیے:

"وزنش خاص اینست، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، و اگر بر این وزن نباشد آنرا رباعی نگویند......" (۲۲)

"رباعی بر وزن 'مفعول مفاعیل مفاعیلن فاع' یا 'لاحول ولاقوۃ الا باللہ' است......" (۲۳)

"رباعی..... بر وزن مفعول مفاعیل مفاعیلن فاع/فع، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ باشد۔" (۲۴)

''رباعی...... وزنی خاص خود دارد، این وزن با جملۂ، معروف لاحول ولا قوۃ الا باللہ مطابقت می کند و بر مفعول مفاعیل مفاعیلن فع، از مزاحفات، بحر ہزج است، تقطیع می شود۔'' (۲۵)

اسی طرح جو رباعیاں مذکورہ وزن میں نہیں آتیں، عروضی قواعد کی رُو سے انھیں دو بیتیوں یا قطعات سے منسوب کیا جاتا رہا ہے، جیسے:

''رباعی بر وزن لاحول ولا قوۃ الا باللہ باشد...... فرق آن با دوبیتی درین است کہ دوبیتی بر وزن دیگر یست'' (۲۶)

''رباعی...... بوزن لاحول ولا قوۃ الا باللہ باشد، اگر باین وزن نباشد آنرا دوبیتی میگویند......'' (۲۷)

''رباعی در بحر ہزج اخرب و اخرم مثمن آید و وزنش این است لاحول ولا قوۃ الا باللہ و اگر برین وزن نباشد آنرا قطعہ گویند رباعی نہ گویند......'' (۲۸)

مگر یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہ بحر ہزج کا محض ایک وزن ہے اور رُباعی کے لیے ماہرین عروض نے بحر ہزج کے چوبیس اوزان (اخرب و اخرم) مختص کیے ہیں جنھیں پانچویں صدی میں عین الزمان، امام ابو علی حسن بن علی قطان مروزی (م ۵۴۸ھ) نے بارہ بارہ حصوں میں دو درختوں کی شکل میں پیش کیا اور اُن میں سے ہر شکل کو شجرے کا نام دیا۔ شمس قیس رازی نے اپنی تصنیف **المعجم فی معاییر اشعار العجم** میں ان شجروں کو نقل کیا ہے۔ (۲۹) رُباعی کے سلسلے میں عروضی نقاد اس امر پر ضرور متفق اللسان ہیں کہ اس کا بحر ہزج مثمن میں ہونا لازمی ہے، مراد یہ کہ اس کا ہر مصرع چہار رُکنی ہو، مثلاً:

''___ مستغربہ آنرا رُباعی خوانند از بہر آنکہ بحر ہزج در اشعار عرب مربع الاجزاء آمدہ است۔'' (۳۰)

''بدانکہ وزن رُباعی ___ از بحر ہزج بیروں نمی آید......'' (۳۱)

''اس بحر (ہزج) کا نام بحر رُباعی ہے کیونکہ رُباعی سوائے اس بحر کے اور بحر میں نہیں کہی جاتی...... پس جو لوگ واقف ہیں وہ عوام کی طرح ہر اک وزن کی دوبیت قافیہ دار کو رُباعی نہ کہیں گے۔'' (۳۲)

''رُباعی کے لیے صرف ایک بحر مختص ہے اور وہ ہے 'بحر ہزج'۔ اس بحر میں جو چار مصرعے بطور رُباعی کہے جاتے ہیں اُن میں سے ہر ایک مصرع چار ارکان پر مشتمل ہوتا ہے۔ چاروں ارکان میں استعمال ہونے والی ماتراؤں کی تعداد بیس ہوتی ہے۔ یہاں ماترا سے مراد یہ ہے کہ اگر رُباعی کے کسی

بھی مصرعے کی تقطیع کی جائے تو اس میں قابلِ شمار حروف تعداد میں بیس ہوتے ہیں۔" (۳۳)

تاہم اس صنفِ شعر کے لیے "یہ ضروری نہیں کہ سارے مصرعے ایک ہی وزن میں ہوں۔ رُباعی کے چار مصرعے چار مختلف اوزان میں کہے جا سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ چاروں اوزان بحرِ ہزج کے مقررہ چوبیس اوزان میں سے ہوں۔ بعض سخت گیر نقادوں نے اخرب اور اخرم کے اوزان کو ایک رُباعی میں جمع کرنا جائز نہیں سمجھا، یعنی وہ چاہتے ہیں کہ ایک رُباعی میں اخرب کے اوزان سے استفادہ کیا جائے یا اخرم کے اوزان سے ــــــ لیکن رُباعی میں شعرا نے اخرب اور اخرم کو الگ الگ رکھنے کی پابندی قبول نہیں کی۔" (۳۴) اس کے باوجود بھی رُباعی لکھنا ایک مشکل فن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی اور اردو کے رُباعی گویوں کے ہاں تمام اوزان کے بجائے بیشتر مقبول اوزان ہی مستعمل رہے۔ فنِ رُباعی کی مشکلات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صاحب بحر الفصاحت نے اخرب اور اخرم کے ہر حصے کی رُباعیات کی وزن کے اختلاف اور مصرعوں کی ترتیب کے اعتبار سے اکتالیس ہزار چار سو بہتر (۴۱۴۷۲) صورتیں بتائی ہیں، یوں دونوں حصوں کی بیاسی ہزار نو سو چوالیس (۸۲۹۴۴) شکلیں بنتی ہیں۔ (۳۵) مگر ظاہر ہے کہ شاعری میں اس حوالے سے سند کے طور پر محض چند امثلہ تو تلاش کی جا سکتی ہیں لیکن ان سب صورتوں پر عمدہ شعرا کے ہاں طبع آزمائی کا رجحان نہیں ملتا۔ مثلاً اس ضمن میں شمیم احمد نے مختلف شعرا کی ۲۵۰ رُباعیوں (یعنی ۱۰۰۰ مصرعوں) کا دلچسپ عروضی اور شماریاتی تجزیہ کرتے ہوئے توجہ دلائی ہے کہ اُردو کے بڑے اور اہم شعرا نے رُباعی کے بہت کم اوزان کو برتا ہے۔ یوں اس کے ۲۴ اوزان کو استعمال کرنے کی آزادی اور گنجائش سے استفادے کا رجحان نہیں ملتا۔ (۳۶)

انواع کے اعتبار سے رُباعی کو عموماً دو قسموں میں رکھا جاتا ہے۔ وہ شکل جس کے تحت چاروں مصرعے مقفّٰی لائے جائیں 'رُباعی غیر خصی' یا 'مصرّع' کہلاتی ہے اور وہ صورت جس میں شاعر مصرعِ سوم بے قافیہ رکھتا ہے اسے 'رُباعی خصی' یا 'غیر مصرّع' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۳۷) ڈاکٹر سیروس شمیسا نے اپنی کتاب سیرِ رُباعی میں رُباعی کی انھی دو قسموں کو باعتبارِ قافیہ 'چہار قافیہ ئی' (غیر خصی) اور 'سہ قافیہ ئی' (خصی) قرار دیا ہے اور صوری اعتبار سے اس کی مزید چار شکلوں 'رُباعیات سہ بیتی'، 'رُباعیات مستزاد'، 'رُباعیات پیوستہ' اور 'رُباعیات موقوف المعانی' سے متعارف کرایا ہے۔ نیز موضوعی لحاظ سے وہ رُباعی کو 'رُباعی عاشقانہ'، 'رُباعی عارفانہ'، 'رُباعی فلسفی یا حکمی'، 'رُباعی مدحی'، 'رُباعی اجتماعی و سیاسی'، 'رُباعی مرثیہ'، 'رُباعی مستہجن و ہجو آمیز' اور 'رُباعی ساقی

نامہ میں تقسیم کرتے ہیں۔" (۳۸)

رُباعی کے سلسلے میں آغاز ہی سے بعض اختلافی مسائل زیرِ بحث آتے رہے ہیں مثلاً اس کی ایجاد اور ناموں کے حوالے سے متضاد آرا ملتی ہیں۔ خاص طور پر اس صنفِ سخن کی اختراع کے مسئلے کو محققینِ فن کے نقل کردہ بعض غیر مستند اور فرضی واقعات نے خاصا گنجلک بنا دیا ہے۔ ان میں سے سب سے قدیم واقعے کے ناقل صاحب المعجم ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"و یکی از متقدمان شعرای عجم و پندارم رودکی واللہ اعلم۔ از نوع اخرم و اخرب این بحر وزنی تخریج کردہ است...... سبب اختراع این وزن آن بودہ است کہ روزی از ایام اعیاد بر سبیلِ تماشا در بعضی از متنزہات غزنین بری گشت...... کودکی دیدہ پانزدہ سالہ با زلف و عارضی چون سنبل...... شاعر در آن لیاقتِ خلق و ذلاقتِ نطق حیران ماندہ و انگشتِ تعجب در دندان گرفتہ بر آن تناسبِ اعضا آفرین و تحسین می کرد و بر آن صورتِ زیبا مفتوں و تمیں و لیس می خواند۔ تا یکباری در انداختن، گردگانی از گو بیرون اُفتاد و بہ قہقری ہم بہ جایگاہ باز غلتید۔ کودک از سر ذکای طبع و صفای قریحت گفت، نظم: غلطان غلطان ہمی رود تا بن گو...... شاعر را این کلمات وزنی مقبول و نظمی مطبوع آمد۔ بہ قوانینِ عروض مراجعت کرد و آن را از متفرعات بحرِ ہزج بیرون آورد و بہ واسطۂ آن کودک بر این شعور یافت...... کودکی بود نیک موزون و دلبر و جوانی سخت تازہ و تر و آن را ترانہ نام نہاد و مایۂ فتنہ، بزرگ را سر بہ جہان در داد...... " (۳۹)

دوسرا واقعہ المعجم فی معاییرِ اشعار العجم کے تین سو سال بعد کے ایک ضعیف راوی دولت شاہ سمرقندی کے ہاں ۸۹۲ھ میں اس کے تذکرے تذکرۂ دولت شاہ میں ملتا ہے جس نے رُباعی کی ایجاد سے متعلق واقعہ کو یعقوب بن لیث صفار کے عہد سے منسوب کیا ہے اور رودکی کے بجائے ابو دلف عجلی اور ابن الکعب کا ذکر کر کے اس کا رشتہ عجم کے بجائے عرب سے جوڑ دیا ہے۔ رُباعی کے سلسلے میں فارسی اور اُردو کے کم و بیش تمام محققین کے ہاں انھی دو فرضی قصوں کو خلط ملط کر کے اس صنف کی ایجاد کے مسئلے کو پیچیدہ بنا دیا گیا ہے۔ (۴۰) اس ضمن میں بیشتر محققین رُباعی کی ایجاد کے ڈانڈے سرزمینِ ایران سے ملاتے ہیں، جیسے:

"رُباعی کہ دریں وزن مستعمل است در اشعار عرب نبودہ است، در قدیم بر این وزن شعر تازی نگفتہ اند۔" (۴۱)

"بباید دانست کہ رُباعی را شعرای عجم اختراع نمودہ اند" (۴۲)

''رباعی ایران کا اختراع ہے۔'' (۴۳)

''سرودن رباعی را نخست شعرای خراسان زبان کشادند و تازیان از قرن پنجم ہجری این طرز سخن را از ایرانیان تقلید کردہ اند۔'' (۴۴)

''رباعی از اشعاری است کہ نخست در سرزمین ادب خیز و ذوق پرور ایران بوجود آمدہ و سپس در میان تازیان رواج یافتہ است'' (۴۵)

''عرب میں رباعی کا دستور نہ تھا۔ شعرائے عجم نے یہ بحر ہزج میں سے نکالی ہے۔'' (۴۶)

جبکہ بعض اسے عربوں کی ایجاد بھی گردانتے ہیں۔ (۴۷) اسی طرح رباعی سے متعلق متنازعہ امور میں اسے شخصی ایجاد کے بجائے قدیم چہار بیتی کی ترقی یافتہ یا تدریجی شکل بھی قرار دیا گیا۔ (۴۸) اور اسے کلمۂ رسولؐ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) سے بھی ماخوذ بتایا جاتا ہے۔ (۴۹) اس صنف کے ناموں میں بھی اختلاف ہے اور قواعد و عروض کی کتب میں اسے رباعی کے علاوہ دوبیتی (۵۰)، ترانہ (۵۱)، بیت (۵۲)، چہار مصرعی (۵۳)، چہار بیتی (۵۴)، خصی (۵۵)، چہار دانہ (۵۶)، چہار خانہ (۵۷)، چہار قاش (۵۸)، قول اور غزل (۵۹) اور دو بیتو و چہار بیتو (۶۰) سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ ان اختلافی مباحث اور متنوع ناموں کے باوصف رباعی اپنے خاص اوزان اور مخصوص دائرے کے پیش نظر ایک منفرد صنفِ سخن ٹھہرتی ہے۔ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان صوری و فنی پابندیوں نے رباعی کو شرائط و قیود میں جکڑ رکھا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہی قدغنیں اس صنف کا شعری حسن برقرار رکھے ہوئے ہیں اور اس میں گوناگوں خصائص پیدا کرتی ہیں، جنھیں سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ رباعی کا مستقبل نہایت روشن ہے اور بعض نئے تجربات بتاتے ہیں کہ یہ دقیق صنفِ شعر اپنے اندر امکانات (۶۱) کی گنجائش بھی رکھتی ہے۔

فارسی شاعری میں رباعیات کے ساتھ ساتھ 'فہلویات' کی روایت بھی ملتی ہے۔ بظاہر یہ دونوں شعری اشکال کسی قدر یکساں دکھائی دیتی ہیں مگر اپنے وزن اور سانچے کے لحاظ سے یکسر مختلف ہیں۔ لغت کی رُو سے 'فہلوی' دراصل 'پہلوی' کا معرب ہے، جس سے لغات میں یہ مراد لی گئی ہے:

''فہلویہ: معرب۔ پہلوی، مؤنث فہلوی۔ آنچہ بزبان پہلوی باشد، شعری کہ بہ یکی از زبانہای محلی ایران بہ وزن عروضی یا ہجائی سرودہ شدہ...... فہلویات: جمع......'' (۶۲)

''مؤنث فہلوی، کلمہ یا جملہ ای کہ بزبان پہلوی باشد...... شعری کہ بیکی از زبانہای محلی ایران بوزنی

از اوزان عروضی یا اوزان ہجایی سرودہ شدہ و بخشی از آنھا در قالب 'دوبیتی' است......ج۔فہلویات، فہلویہ......"(۶۳)

"فہلویات......از ریشۂ پارسی، آنچہ، بزبان پہلوی باشد......"(۶۴)

پہلوی ساسانی عہد کی زبان ہے جو اسلام کی آمد کے بعد مختلف علاقائی لہجوں کی شکل میں باقی رہ گئی۔ان مقامی لہجوں کے اشعار فہلویات کہلائے۔جدید معنوں میں انھیں 'ترانہ' یا 'دوبیتی' سے موسوم کیا جاتا ہے(۶۵) رباعی کے برعکس فہلویہ یا ترانہ و دوبیتی کے لیے سہ رکنی بحر، ہزج مسدس محذوف یا مقصور مختص ہے۔اس کے وزن کے لیے شمس قیس رازی نے المعجم میں تین اوزان مفاعیلن مفاعیلن فعولن / مفاعیل، فاع لاتن مفاعیلن فعولن اور مفعولاتن مفاعیلن فعولن کی نشاندہی کی ہے جبکہ ان تینوں میں سے مفاعیلن مفاعیلن فعولن / مفاعیل کو 'خوش ترین اوزانِ فہلوی' قرار دیا ہے۔(۶۶) فہلویات کے ضمن میں فارسی شاعری میں بندار رازی، باباطاہر عریاں، پور فریدون، شمس پس ناصر، شرفشاہ، محمد مغربی تبریزی، ملا سحر طہرانی، صوفی مازندرانی، نجمای شیرازی، حسینا، اسکندر خان بابا دای اور فایز دشتستانی کے اسما قابلِ ذکر ہیں، تاہم فہلویات کے ضمن میں ان شعرا میں جو شہرت لُری لہجے کے شاعر باباطاہر عریاں کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے شاعر کو نہ مل سکی۔یہاں تک کہ یہ نوع انھی سے منسوب ہو کر رہ گئی۔پانچویں صدی ہجری کے اس معروف ترین شاعر کے متعلق ادبی تاریخوں اور کتبِ فنی میں بہت مختصر اشارات ملتے ہیں، جیسے:

"باباطاہر عریاں، ہمدانی بود و مسلک درویشی و فروتنی او کہ شیوۂ عارفان است سبب شدی تا وی گوشہ گیر گشتہ و گمنام زیستہ و تفصیلی از زندگانی خود باقی نگذارد فقط در بعضی کتب صوفیہ ذکری از مقام معنوی و مسلک و ریاضت و درویشی و صفتِ تقویٰ و استغنای او آمدہ است......"(۶۷)

"معروف ترین دوبیتی ہای فارسی از باباطاہر عریاں ہمدانی، شاعر قرن پنجم است"(۶۸)

"شاعر عارف ہمدانی کہ دوبیتی ہایی بہ لہجۂ لُری بہ او منسوب است......"(۶۹)

"دربارۂ شخصیت باباطاہر در ہمہ مآخذ ہای قدیمی از وی بعنوان یکی از اولیا، مشایخ متصوفہ نام بردہ شدہ و پیری پرہیزگار و صاحب مقامات و کرامات و درویشی شیفتہ و عاشق و شیدا و مجنون بہ مفہوم عرفانی

آن است و چون دو بیتی ھایش شہرت فراوانی دارد و پس از گذشت قرنہا بجا ماندہ و مردم بعنوان یک شاعر بہ اُو توجہ دارند و اُو را می شناسند و تنہا بہ ذکر نام اُو در زمرہ عرفا و اولیا بسندہ می کنند.....'' (۷۰)

گویا بابا طاہر عریاں کے حالات زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتے ہیں کہ وہ ہمدان کا رہنے والا تھا اور یہیں مدفون ہوا___ عارفوں کے مسلک سے وابستگی کے باعث اُس نے گوشہ گیری اور گمنامی کی زندگی گزاری اور تمام عمر درویشی و فروتنی اُس کا شعار رہا۔ بابا طاہر کے مفصل سوانحی واقعات میں صرف اس کی سلطان طغرل بیگ سلجوق سے ملاقات (۴۴۷ تا ۴۵۰ھ) کا تذکرہ ملتا ہے۔ پروفیسر ایڈورڈ۔جی براؤن نے اپنی کتاب A Literary History of Persia میں قدیم ترین ماخذ راحۃ الصدور کا حوالہ دیتے ہوئے اس ملاقات کا مفصل حال بیان کیا ہے، جس سے اس بے نیاز شاعر کی عاجزی ثابت ہوتی ہے۔ (۷۱) اپنی فطری آزادہ روی کے سبب اُس نے بحر ہزج کے اخرب واخرم اوزان کے بجائے اسی بحر کے خوش آہنگ اور دلپذیر وزن ہزج مسدس محذوف یا مقصور کو برتتے ہوئے رَے کی مقامی و دیہی بولی 'لُری' میں دوبیتیاں کہیں جو نہ تو فصیح فارسی زبان میں لکھی گئی ہیں اور نہ ہی رُباعی کے متعین اوزان پر پورا اترتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ فن کو انھیں رُباعیات قرار دینے میں تامل ہے اور تحقیق کی دنیا میں یہ بحث رہی ہے کہ بابا طاہر کے ان شعر پاروں کو رُباعیات کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟___ اس سلسلے میں زیادہ تر محققینِ فن، وزن سے قطع نظر انھیں رُباعیات ہی لکھتے رہے جبکہ کڑے اُصولوں پر پرکھنے والے انھیں قطعات یا دوبیتیوں سے تعبیر کرتے ہیں تاہم اس گتھی کو سلجھانے کے لیے بیچ کی راہ اپناتے ہوئے رُباعی پر کی گئی مفصل بحث کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بابا طاہر عریاں کے یہ اشعار دوبیتیوں یا ترانوں کی ذیل میں آتے ہیں جنھیں قدیم معنوں میں 'فہلویات' کہا گیا۔ بابا طاہر کو اگر رُباعی گو سمجھا جاتا ہے تو اس کی وجہ اُن کے پیش کردہ شعر پاروں کا چار مصرعوں میں ہونے کے علاوہ عمدہ خصوصیات سے مزین ہونا ہے۔ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ فارسی ادب میں گرد و نواح کی بولیوں میں شعر کہنے والے تو بہت ہیں مگر بابا طاہر عریاں کی دوبیتیوں میں دردمندی، سوز و گداز اور صبر و شکیبائی کا جس غنائیت اور دلکشی کے ساتھ اظہار ہوا ہے وہ انھیں دوسروں سے ممتاز و ممیز کر دیتا ہے، چنانچہ نہ صرف شعر و ادب کے ہر دور میں ان کا شمار معیاری کلاسیکی شعرا میں کیا گیا بلکہ پروفیسر براؤن نے تاریخِ ادبیاتِ ایران میں بابا طاہر کو عمر خیام، ابوسعید ابی الخیر اور پیر انصار (شیخ الانصاری) جیسے عظیم ترین رُباعی گویوں میں شمار کیا ہے۔ وہ انھیں 'ایران کا برنز' قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Baba Tahir-i-Uryan,whose quatrains (Composed in what is variously described as 'the dialect of Hamadan' or 'The Luri dialect')are widely cited and sung in persia and have been repeatedly published there...The popularity of Baba Tahir, who may be called the burns of Persia, in due, no doubt, in large measure to the simplicity of his thoughts, the nearness of the dialect in which he writes to standard persian, the easy and melodious flow of his words, and their simple, uniform metre......"(72)

انھی اوصاف کے باعث ناقدین شعر باباطاہر عریاں کی دوبیتیوں (فہلویات) کو ستائش نگاہ سے دیکھتے ہیں، مثلاً چند اقتباسات دیکھیے جن سے اُن کے منفرد کلام کے خصائص بخوبی مترشح ہوتے ہیں:

"......دوبیتی ھای باباطاہر عریان درمیان اشعار دوبیتی فارسی ذوق وشوری دیگر دارد" (۷۳)

"عمدۂ شہرت باباطاہر در ایران بواسطہ دوبیتی ھای شیرین ومؤثر عارفانہ اوست۔ از خصوصیات این رباعیات آنکہ از وزن معمول رباعی کمی فرق دارد و نیز در لفظی شبیہ بہ لغت لری سرودہ شدہ و از این لحاظ آنہا را در کتب قدیم (فہلویات) نام دادہ اند۔ در تمام این رباعی ھای سادہ ومؤثر شاعر از جہان وحدت و دور افتادگی انسان و از پریشانی وتنہائی و ناچیزی و بیچیزی خود کردہ و از ہجر اق شکایت نمودہ و حسن اشتیاق معنوی خود را جلوہ دادہ است" (۷۳)

"اہمیت دوبیتی ھای باباطاہر در سادگی ولطف تاثیر ولحن صادقانہ آن است با اینکہ دوبیتی ھای او ظاہرا کوچک وحقیر مایہ بنظر می رسد در برانگیختن عواطف وتحریک احساسات و ایجاد شور و حال و دامن زدن بآتش اشتیاق اعجازی کند و بخوبی مشہود است کہ این ترانہ ھای دلکش ونغمہ ھای شورانگیز سرجوش دلی پرسوز وزائیدہ طبعی آتشین و خاطری دردمند وروحی مشتاق میباشد، گوئی این دوبیتی ھای کوچک وہیچ سراپا شرح سوز وگداز عاشق شیدا است کہ از یار جدا افتادہ و خرمن صبر وشکیبائی را بباد بیقراریہا دادہ و روی از ہستی چند روزہ بر تافتہ و بدم عشق حیات جاویدان یافتہ و خرمن جان را با آتش ناکامیہا سوختہ و

باانہمہ دیدہ از غیر یا بر دوختہ است، لطف دیگر این دوبیتی ھا در سادگی و سہولت الفاظ و معانی است، شاعر تنہا در بند بیان احساسات و شرح بیجا نہاد سوز درونی خود بود و دو پیرایہ ھای لفظی و صناعات شعری توجہی نداشتہ و قدر سخن از دل برآمدہ و رابا تکلفات و تصنعات فنی ضایع نکردہ است......"(۷۵)

یہ حقیقت ہے کہ سلجوقی دور کے اس فصیح شاعر کی مقامی زبان لُری میں مرقوم دوبیتیوں کا شمار آج اگر معتبر کلاسیکی ادبی سرمائے میں کیا جاتا ہے تو اس کا سبب اُن کا منفرد لہجہ اور اسلوب ہے جو سرتا سر درد و اخلاص اور سوز و گداز سے عبارت ہے۔ بابا طاہر عریاں کی شاعری صحیح معنوں میں عارفانہ و درویشانہ خیالات کا خزینہ ہے۔ تقویٰ و استغنا اُن کا امتیاز خاص اور عشق و محبت ان کے محبوب جذباتی کوائف کا مرکزی نقطہ ہے۔ انھوں نے اپنی درویشی اور بے خانمائی کا اظہار بلا کی مستانہ لے میں کیا ہے۔ بابا طاہر کی دوبیتیاں کلی طور پر عاشقانہ مزاج رکھتی ہیں اور ایک سچے عاشق کے درد و غم اور قلبی سوز کے تمام عناصر ان میں رچے بسے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ وہ اپنی شاعری میں اگر چہ پند و نصائح سے کام لیتے بھی ہیں تو بھی جذبات کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ وہ قاری کو خرد کی گتھیاں سلجھانے پر مجبور نہیں کرتے بلکہ صاحبِ جنوں بنا دیتے ہیں، اسی لیے 'دل' بابا طاہر کی دوبیتیوں کا کلیدی نکتہ ہے۔ وہ جا بجا اپنے دل سے مخاطب ہوتے ہیں اور ایک سطح پر تو 'دل' ان کی اپنی ہی ہستی کے مترادف محسوس ہونے لگتا ہے۔ 'دل' گویا اُن خیالوں کا شہر ہے جو ہر لحظہ انھیں اسیر کیے رکھتے ہیں جبھی تو ان کے وفورِ شوق کی جھلکیاں اسی شہرِ بے مثال کے آئینے میں منعکس ہوئی ہیں۔ بابا طاہر کے ہاں دامانِ خیالِ یار کسی مرحلے پر نہیں چھوٹتا، حتیٰ کہ بعض مواقع پر تو ہجر میں بھی وصال کے مزے اٹھائے جا سکتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ بسا اوقات محبوب کے لیے فداکاری و جاں سپاری کے جذبات نے اُن کے صبر و شکیبائی کا امتحان بھی لیا ہے مگر یہی ہجر و فراق حُسنِ محبوب کی مصوری پر منتج ہو کر تسکین پاتا بھی نظر آتا ہے۔ اسی طرح کیفیاتِ جذب و فنا کی پیش کش بابا طاہر عریاں کی روشِ خاص ہے اور اس ضمن میں بے ثباتیِ دہر نے انھیں ایک صوفی کی طرح شانت کر رکھا ہے۔ وہ انسان کی قلبی و ذہنی کشمکش پر جھلانے کے بجائے اُس کی نفسیاتی باریکیوں کا سراغ لگانے کی جستجو بھی کرتے ہیں۔ یوں سمجھ لیجیے کہ بابا طاہر کی دوبیتیاں ایسے سچے، کھرے اور خالص جذبات کا مرقع ہیں جن میں کسی قسم کا تصنع نہیں۔ لطف تو یہ ہے کہ ایک نامانوس زبان میں ہونے

کے باوصف آج بھی یہ شاعری ہمارے دل کے تاروں کو چھیڑتی ہے۔ مزید یہ کہ اُن کے سہل ممتنع پر مبنی یہ شعر پارے سادہ و رواں تشبیہات و استعارات، تلمیحات و اشارات اور تمثیلاتِ شعری کے تال میل سے معنی تہہ دار کے حصول میں یوں موفق ٹھہرے ہیں کہ ان کے کلام میں انفرادی شان پیدا ہوگئی ہے۔ خصوصاً آغاز میں بیان کی گئی رُباعی کی متعین تعریف، روایت اور فنی جکڑ بندیوں کو پیش نظر رکھیں تو بابا طاہر عریاں کی دوبیتیاں یا فہلویات چار مصرعوں میں جذبات و احساسات کے اظہار کا موثر، رواں دواں اور شیریں و دلنشیں اظہار محسوس ہوتی ہیں۔ یہاں طاہر عریاں کے متذکرہ منفرد شعری خصائص کی عکاس چند دوبیتیاں دیکھیے جو بلاشبہ شعریت و معنویت کا انتہائی پرکشش اور لائق استحسان امتزاج ہیں:

دلی دیرم خریدار محبت
کز او گرم است بازار محبت
لباسی بافتم بر قامتِ دل
ز پود محنت و تار محبت (۷۶)

خرم آنان کہ از تن جان ندانند
ز جانان جان ز جان جانان ندانند
بدردش خو کرن سالان و ماهان
بدرد خویشتن درمان ندانند (۷۷)

مو آن رندم کہ نامم بی قلندر
نہ خوان دیرم نہ مان دیرم نہ لنگر
چو روز آیہ بگردم گرد کویت
چو شو آیہ بخشتان وانہم سر (۷۸)

مو کہ سر در بیابونم شو و روز
سرشک از دیدہ بارونم شو و روز
نہ تب دیرم نہ جانم میکند درد
همیدونم کہ نالونم شو و روز (۷۹)

چرا آزردہ حالی ایدل ایدل
مدام اندر خیالی ایدل ایدل
برو کنجی نشین شکرِ خدا کن
کہ شاید کام یابی ایدل ایدل (۸۰)

خوش آن روزی که در گورم کنن تنگ — وریزن بر سرم خاک و خس و سنگ
نه پای آنکه از ماران گریزم — نه دست آنکه با موران کنم جنگ (۸۱)

ز بوی زلف تو مفتونم ای گل — ز رنگ روی تو دلخونم ای گل
من عاشق ز عشقت بی قرارم — تو چون لیلی و من مجنونم ای گل (۸۲)

دو زلفونت بود تار ربابم — چه میخواهی از این حال خرابم
تو که با مو سر یاری نداری — چرا هر نیمه شو آئی بخوابم (۸۳)

اگر آئی بجانت وانوازم — وگر نائی ز هجرانت گدازم
بیا دردی که داری بر دلم نه — بمیرم یا بسوزم یا بسازم (۸۴)

مو آن بحرم که در ظرف آمدستم — چو نقطه بر سر حرف آمدستم
بهر الفی الف قدی بر آیه — الف قدم که در الف آمدستم (۸۵)

دنیا خوان بی و مردم میهمان بی — امروز لاله بی و فردا خزان بی
بیه چالی کنن ناتش نهند گور — بمو واجن که اینت خانمان بی (۸۶)

نگارا تازه خیز مو کجائی — بچشمان سرمه ریز مو کجائی
نفس بر سینه طاهر رسیده — دم مردن عزیز مو کجائی (۸۷)

مرا دیوانه و شیدا ته دیری — مرا سرگشته و رسوا ته دیری
نمیدونم دلم دارد کجا جای — همیدونم که در دی جا ته دیری (۸۸)

یہ درست ہے کہ بابا طاہر عریاں نے رباعی کے مروج وزن اور سانچے کو من وعن اختیار نہ کیا

اور رزے کی مقامی بولی میں ایک سادہ، رواں اور مترنم بحر (ہزج مسدس محذوف یا مقصور) میں بے مثل شعر پارے رقم کرتے رہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہلِ ایران نے ان منظوموں کی قدر و قیمت کو پہچانتے ہوئے بابا طاہر کا شمار عظیم رباعی گویوں میں ہی کیا اور اکثر و بیشتر ان کی دوبیتیوں (قدیم معنوں میں فہلویات) یا ترانوں کو 'رباعیات' ہی قرار دیا جاتا رہا۔ ایک دوسرے زاویے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بابا طاہر عریاں کو یہ مقام و مرتبہ دل میں اتر جانے والے مختذ کرہ خاص وزن میں شعر کہنے کے سبب ملا اور آج بھی ان کا نام تاریخِ ادب میں زندہ ہے ___ پھر یہی وہ وزن اور بحر ہے جسے بیسویں صدی کے شہرہ آفاق شاعر علامہ محمد اقبال نے بابا طاہر عریاں ہی کے تتبع میں اظہارِ مطلب کے لیے اختیار کیا اور کلامِ اقبال میں 'رباعیات' کے زیرِ عنوان، پیامِ مشرق، بالِ جبریل، اور ارمغانِ حجاز میں متعدد دوبیتیاں موجود ہیں۔ بالخصوص ارمغانِ حجاز (فارسی) میں تو علامہ کی دوبیتیوں کا رنگ و آہنگ کہیں پانچویں صدی کے اس درویش صفت شاعر سے جا ملتا ہے تو کہیں وہ فنی اور موضوعی اعتبار سے اس سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ ارمغانِ حجاز کی دوبیتیوں کے مطالعے سے ان دونوں شاعروں کے مابین صدیوں کا بُعد بھی ختم ہوا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں بار ہا بابا طاہر عریاں کے عرفان و وجدان کی سچی اور کھری کیفیات شعرِ اقبال کے مضبوط اور منفرد فکری نظام کے آئینے میں پوری آب و تاب کے ساتھ منعکس ہوئی ہیں۔ پھر کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح رباعی کی مضبوط روایت کے سامنے بابا طاہر عریاں کی فہلویات یا ترانوں نے اپنا مقام و مرتبہ منوایا، بعینہٖ اقبال کی دوبیتیوں نے بابا طاہر کے لُری لہجے کے حامل شعر پاروں کی تعبیرِ نو (Re-Interpretation) کر کے انھیں نئے فکری و فنی ابعاد بخش دیے ہیں۔

حوالے اور حواشی:

۱۔ سیروس شمیسا، ڈاکٹر: سیر رُباعی در شعر فارسی، ایران: انتشارات فردوس، طبع دوم ۱۳۷۴، ص ۱۳

۲۔ عبدالحق و ابواللیث صدیقی (مولفین): اُردو لغت (تاریخی اصول پر)، کراچی: اُردو ڈکشنری بورڈ ۱۹۸۳ء، ج ۱۰، ص ۴۹۴

۳۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: اردو رُباعی، کراچی: مکتبہ سنگِ میل ۱۹۶۲ء، ص ۱

۴۔ سید سلیمان ندوی، علامہ: خیام، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، طبع اول (پاکستان) ۱۹۸۸ء، ص ۲۵۰

۵۔ ابوالقاسم پرتو: فرہنگ واژہ یاب، ایران: انتشارات اساطیر، طبع اول ۱۳۷۳ھ۔ش، ص۷۴۴

۶۔ منصور رستگار فسائی، ڈاکٹر: انواعِ شعر فارسی، شیراز: انتشارات نوید، طبع اول ۱۳۷۲، ص ۲۷۷

۷۔ سیروس شمیسا، ڈاکٹر: سیر رُباعی در شعر فارسی، ص۱۳

۸۔ محمد معین، ڈاکٹر: فرہنگ فارسی، تہران: موسسہ انتشارات امیر کبیر ۱۳۵۳، شمارہ ۳، ص۱۶۳۵

۹۔ منصور رستگار فسائی: انواعِ شعرِ فارسی، ص۲۷۷

۱۰۔ اُردو لغت (تاریخی اصول پر): ج۱۰، ص۳۹۴

۱۱۔ خیام، ص۲۵۰

۱۲۔ اُردو رباعی، ص۲۰۱

۱۳۔ نجم الغنی رامپوری، مولوی: بحر الفصاحت (طبع نو)، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۸ء، ج۱، ص ۱۱۴

۱۴۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز: کشافِ تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم ۱۹۸۵ء، ص۸۴

۱۵۔ شمیم احمد: اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں، بھوپال: انڈیا بک امپوریم، طبع اول ۱۹۸۱ء، ص۷۰

۱۔ محمد خزائلی و حسن سادات ناصری: بدیع و قافیہ، ایران: موسسہ مطبوعاتی امیر کبیر، طبع اول ۱۳۳۴، ص۴۴

۱۷۔ حییم، سلیمان: فرہنگ جامع (فارسی۔ انگلیسی) تہران: کتابفروشی یہود ابرو خیم، ۱۳۴۱، ج۱، ص۹۴۰

۱۸۔ فقیر، شمس الدین: حدائق البلاغۃ (ترجمہ) امام بخش صہبائی، لکھنؤ: مطبع منشی نولکشور ۱۸۴۴: ص ۱۴۱

۔ محمد التونجی، ڈاکٹر (مولف) المعجم الذہبی (فارسی، عربی) بیروت: دار العلم للملایین، طبع اول ۱۹۶۹، ص۲۹۳

۲۰۔ زین العابدین مؤتمن: تحولِ شعرِ فارسی، ایران: کتاب خانہ طہوری، طبع چہارم ۱۳۷۱، ص ۸۷، ۸۸

۲۱۔ حسن انوشہ: دانشنامہ ادبِ فارسی (۲)، تہران: موسسہ آسیائی مرکزی ۱۳۷۵، ص ۶۲۲

۲۲۔ علی اکبر دہخدا: لغت نامۂ دھخدا، زیر نظر محمد معین و سید جعفر شہیدی، تہران: دانش گاہ تہران ۱۳۳۰ھ۔ش، شمارۂ مسلسل: ۸۸، بخش اول، ص ۲۴۷

۲۳۔ حسین رزمجو، ڈاکٹر: انواعِ ادبی، مؤسسہ چاپ و انتشارات آستان قدس رضوی، طبع اول ۱۳۷۰، ص ۳۰

۲۴۔ منصور رستگار فسائی: انواعِ شعر فارسی، ص ۲۷۲

۲۵۔ میمنت میر صادقی: واژہ نامۂ ہنر شاعری، تہران: کتاب مہناز، طبع دوم ۱۳۷۶، ص ۱۰۸

۲۶۔ محمد معین، ڈاکٹر: فرہنگِ فارسی معین، ص ۱۶۳۵

۲۷۔ محمد بہشتی (مولف) فرہنگ صبا، ایران: انتشارات صبا، سال ۷۲، ص ۵۰۰

۲۸۔ فرہنگ آنند راج، تہران: انتشارات کتاب خانہ خیام، ۱۳۳۶، ج ۲، ص ۲۰۳۶

۲۹۔ دیکھیے: المعجم فی معاییر اشعار العجم بکوشش سیروس شمسا، تہران: انتشارات فردوس، چاپخانہ رامین، طبع اول ۱۳۷۳ھ، ص ۲۶۰

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۳۱۔ نصیر الدین، مولوی: عروضِ سیفی، لاہور: شیخ مبارک علی تاجر کتب، طبع اول ۱۹۳۲ء، ص ۴۵

۳۲۔ نجم الغنی رامپوری: بحر الفصاحت، ج ا، ص ۲۷۴

۳۳۔ شمیم احمد: اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں، ص ۷۰

۳۴۔ حفیظ صدیقی: کشافِ تنقیدی اصطلاحات، ص ۸۵

۳۵۔ نجم الغنی رامپوری: بحر الفصاحت ج ا، ص ۲۸۱، ۲۸۲

۳۶۔ ملاحظہ کیجیے: اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں، ص ۷۲ تا ۸۰

۳۷۔ حفیظ صدیقی: کشافِ تنقیدی اصطلاحات، ص ۸۳

۳۸۔ سیروس شمیسا، ڈاکٹر: سیرِ رُباعی، ص ۲۲۳ تا ۲۲۷

۳۹۔ المعجم: ص ۱۱۹، ۱۲۰

۴۰۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر: اُردو رباعیات، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو لاٹوش روڈ، طبع اول ۱۹۶۳ء ص ۳۷ تا ۶۲

۴۱۔ المعجم: ص ۱۲۱

۴۲۔ فقیر، شمس الدین: حدائق البلاغۃ، کانپور: مطبع نامی منشی نولکشور ۱۸۸۷ء، ص ۱۵۱

۴۳۔ کیفی، پنڈت دتاتریہ: کیفیہ، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، طبع دوم ۱۹۵۰ء، ص ۳۰۰

۴۴۔ محمد خزائلی و حسن سادات ناصری: بدیع و قافیہ، ص ۲۵

۴۵۔ زین العابدین مؤتمن: تحولِ شعر فارسی، ص ۹۰

۴۶۔ نجم الغنی: بحر الفصاحت، ج ۱، ص ۲۷۲

۴۷۔ دیکھیے: خیام از سید سلیمان ندوی، ص ۲۵۲ تا ۲۵۶

۴۸۔ یہ مؤقف حافظ محمود شیرانی نے تنقید شعر العجم میں پیش کیا ہے، دیکھیے: مقالاتِ حافظ محمود شیرانی، ج ۵، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول ۱۹۷۰ء، ص ۱۰ تا ۱۳

۴۹۔ محمد ارشاد: رباعی کی تاریخ (۳) مضمون، سہ ماہی فنون، جنوری، اپریل ۲۰۰۳ء شمارہ: ۱۱۹، ص ۴۰، ۴۱، ۴۲

۵۰۔ مثلاً براؤن کے مطابق:

"The Rubai, or quatrain, is formally two bayts(whence called du-bayti) or four hemistichs (whence called rubai), written in a particular metre, Hazaj." *(A Literary History of Persia*, London: Cambridge Univeristy Press,1964, vol:2, page:260)

۵۱۔ جیسے ''ترانہ..... بروزن جوانہ..... بمعنی دو بیتی یعنی رباعی.....'' فرہنگ آنند راج، ج ۲، ص ۱۰۶۴)

''ترانہ، اس کو (رباعی کو) اس لیے کہتے ہیں کہ موسیقی نے اس وزن پر اچھے اچھے راگ بنائے ہیں، عربی میں ایسے اشعار کو قول کہتے ہیں۔'' (بحر الفصاحت، ج ۱، ص ۱۱۴)

''فارسی میں رباعی کا سب سے پرانا نام غالباً ترانہ ہے۔'' (خیام، ص ۲۵۶)

۵۲۔ دیکھیے: خیام از سید سلیمان ندوی، ص ۲۵۷

۵۳۔ کشاف تنقیدی اصطلاحات، ص ۸۴

۵۴۔ مقالاتِ حافظ محمود شیرانی، ج ۵، ص ۱۰، ۱۱

۵۵۔ کشاف تنقیدی اصطلاحات، ص ۸۴

۵۶۔ سیروس شمیسا: سیرِ رُباعی، ص ۱۶

۵۷۔ ایضاً

۵۸۔ ایضاً

۵۹۔ المعجم، ص ۱۴۰

۶۰۔ محمد کامگار پارسی: رُباعی و رُباعی سرایان، تہران: دانش گاہ تہران ۱۳۷۲ھ، ص ۴۳

۶۱۔ جیسا کہ اردو کے ممتاز شاعر اسلم انصاری نے رباعی کو صنف کے بجائے مختصر نظم کی ایک مسلمہ اور مصدقہ ہیئت کے طور پر اپناتے ہوئے اردو کی اولیں بے قافیہ رباعیاں تحریر کی ہیں۔ ان کے مطابق: ''ہو سکتا ہے کہ اس صورت ہی مختصر نظم کو ایک تسلیم شدہ ہیئت اور ایک نیا وزن و وقار میسر آ سکے۔''

اسلم انصاری کی 'رباعیات معریٰ' کا انداز کچھ یوں ہے:

اے میرے خیالِ گلِ بداماں، تو نے
بخشے ہیں ہزار نقشِ رنگیں مجھ کو
ہیں تیرے بغیر شہر و صحرا سُونے
تو ہے تو ہے ایک شاخِ گل بھی گلشن

پتوں پہ گری ہیں رس کی بوندیں کیسی
پلکوں پہ دمک اُٹھے ہیں تارے کیا کیا
جاگی ہیں نہ جانے کتنی ہی تصویریں
یاد آئے ہیں دل کو جانے والے کتنے!

دیکھیے: مکالمہ، کراچی: اکادمی بازیافت، شمارہ: ۱۱، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۳ء، ص ۱۷۶ تا ۱۷۸

۶۲۔ فرہنگِ صبا: ص ۷۷۸

۶۳۔ فرہنگِ فارسی معین: ج ۲، ص ۲۵۸۸

۶۴۔ فرہنگِ واژہ یاب: ج ۲، ص ۱۳۳۹

۶۵۔ سیروس شمیسا: سیرِ رُباعی، ص ۱۳

۶۶۔ المعجم فی معاییرِ اشعار العجم،ص۱۴۴

۶۷۔ رضازادہ شفق،ڈاکٹر:تاریخِ ادبیاتِ ایران،تہران:موسسہ چاپ و انتشارات امیر کبیر۱۳۴۲ء،
ص۱۰۹

۶۸۔ حسین رزمجو:انواعِ ادبی،ص۴۲

۶۹۔ سیروس شمیسا:سیرِ رُباعی،ص۳۰۸

۷۰۔ اسعادعبدالہادی قندیل:فنونِ شعرِ فارسی،مترجم:فاطمہ سوہانقلر،طبع دوم۱۹۸۱ء،ص۱۳۹

71- Browne, Edward G: *A Literary History of Persia*, vol:2, page:261-262

72- Ibid,page:83-84

۷۳۔ محمد خزائلی و حسن سادات ناصری:بدیع و قافیہ،ص۴۲

۷۴۔ رضازادہ شفق:تاریخِ ادبیاتِ ایران،ص۱۰۹

۷۵۔ زین العابدین مؤتمن:تحول شعر فارسی،ص۱۰۰

۷۶۔ باباطاہرعریاں:دیوان کامل بی نظیر بابا طاهر عریان همدانی بکوشش وحید دستگردی
تہران:انتشارات کتاب فروشی ادب،طبع سوم۱۳۳۱،ص۲۶

۷۷۔ ایضاً،ص۲۶

۷۸۔ ،،،ص۲۹

۷۹۔ ،،،ص۳۱

۸۰۔ ،،،ص۳۲

۸۱۔ ،،،ص۳۳

۸۲۔ ،،،ص۳۴

۸۳۔ ،،،ص۳۵

۸۴۔ ،،،،

۸۵۔ ،،،ص۳۷

۸۶۔ ،،،ص۶۶

۸۷۔ ،،،ص۶۸

۸۸۔ ،،،ص۶۹

☆

۲۔ اقبال کی دوبیتی ـــــ ایک تحقیقی مطالعہ

کلامِ اقبال کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حیرت ہوتی ہے کہ اس قادر سخن شاعر نے کلاسیکی مزاج اور اصول وضوابط کو عزیز رکھنے کے باوصف، رباعی کے متعین اوزان کو بہت کم برتا۔ اس کے مقابلے میں ان کے ہاں باباطاہر کی اختیار کردہ منفرد صنفِ سخن "فہلویہ یا ترانہ و دوبیتی کا وزن زیادہ مستحسن ٹھہرتا ہے اور انھوں نے باباطاہر عریاں کی متذکرہ مترنم و سحر کی آہنگ پر مبنی سہ رکنی بحر (ہزج مسدس محذوف یا مقصور) میں عمدہ دوبیتیاں رقم کی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اقبال کے قلب و ذہن پر اس بحر کی موسیقی اور نغمگی اس قدر اثر کر گئی کہ وہ اس میں کمال درجے کے ذوق وشوق سے شعر کہنے لگے۔ حتیٰ کہ رباعی کی طرف ان کی توجہ نہ رہی، یہی وجہ ہے کہ انھیں رباعی گو کے بجائے 'دوبیتی نگار' کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ صنف رباعی کی طرف کم اعتنائی کا سبب اقبال کی اس وزن اور بحر سے ناآشنائی نہیں بلکہ اصل بات یہی ہے کہ انھیں باباطاہر کے اختیار کردہ وزن کی خوش آہنگی اس حد تک پسند آئی کہ وہ اس کی طرف راغب ہوتے چلے گئے۔ اگر وہ چاہتے تو رباعی کے متعین اوزان کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اس صنفِ شعر میں بھی اپنی شکوہِ شعری کا بے مثل اظہار کر سکتے تھے اس لیے کہ وہ رباعی کہنے کی صلاحیت سے مستفیض تھے اور ان کے کلام میں موجود مطبوعہ و غیر مطبوعہ رباعیاں قلیل ہونے کے باوجود اس امر کی تصدیق کرتی ہیں۔ اقبال کے ہاں غیر مطبوعہ رباعیاں کچھ یوں ہیں:

مشہور زمانے میں ہے نامِ حالی
معمور مے حق سے ہے جامِ حالی
میں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا
نازل ہے مرے لب پہ کلامِ حالی(۱)

واعظا! تیرے فلسفے سے ہوں میں حیراں
منطق ہے تری نئی، نیا طرزِ بیاں
انسان کے واسطے ہے مذہب، لیکن
تو کہتا ہے: "مذہب کے لیے ہے انساں" (۲)

تو قیس نہیں تو تجھ کو بن سے کیا کام؟
زر پاس نہیں تو راہزن سے کیا کام؟
مُسلم کی بنائے قومیت ہے اسلام
مُسلم ہے اگر تو، تو وطن سے کیا کام؟ (۳)

باہر ہوئے جاتے ہو کیوں جامے سے
پوچھو کسی پنڈت سے نہ علامے سے
میں تم کو بتاتا ہوں، یونیورسٹی کیا ہے
پتلون کی تکرار ہے پاجامے سے (۴)

بعض مولفین و محققین نے 'انجمن کشمیری مسلمانان' کے اجلاس میں پڑھے جانے والے ذیل کے شعر پاروں (۵) کو بھی جو ستمبر ۱۹۰۱ء میں 'کشمیری گزٹ' میں شائع ہوئے تھے، اقبال کی غیر مطبوعہ رباعیات قیاس کیا ہے (۶) حالانکہ یہ رباعی کے وزن میں نہیں:

کہکشاں میں آ کے اختر مل گئے
اک لڑی میں آ کے گوہر مل گئے
واہ وا کیا محفلِ احباب ہے
ہم وطن، غربت میں آ کر مل گئے

ظلم سہتے ہیں، وطن اپنا نہ جن سے چھٹ سکا
شکوۂ حکام، پر اے دل! نہیں تیرا بجا
کیا عجب کشمیر میں رہ کر جو ہے ان پر جفا
پائے گل اندر چمن دائم پُر است از خار ہا

موتی عدن سے لعل ہوا ہے یمن سے دُور
یا نافۂ غزال ہوا ہے ختن سے دُور
ہندوستاں میں آئے ہیں کشمیر چھوڑ کر
بلبل نے آشیانہ بنایا چمن سے دُور

سو تدابیر کی، اے قوم یہ ہے اک تدبیر
چشمِ اغیار میں بڑھتی ہے اسی سے توقیر
دُرِّ مطلب ہے اخوت کی صدف میں پنہاں
مل کے دنیا میں رہو مثلِ حروفِ کشمیر

سامنے ایسے گلستاں کے کبھی گر نکلے
جیبِ خجلت سے سرِ طور نہ باہر نکلے
ہے جو ہر لحظہ تجلّی گہہِ مولائے جلیل
عرش و کشمیر کے اعداد برابر نکلے

پنجۂ ظلم و جہالت نے بُرا حال کیا
بن کے مقراض ہمیں بے پر و بے بال کیا
توڑ اس دستِ جفا کیش کو یارب، جس نے
روحِ آزادیِ کشمیر کو پامال کیا

بُت پرستی کو مرے پیشِ نظر لاتی ہے
یادِ ایامِ گزشتہ مجھے شرماتی ہے
ہے جو پیشانی پہ اسلام کا ٹیکا اقبال
کوئی پنڈت مجھے کہتا ہے تو شرم آتی ہے

کشمیر کا چمن جو مجھے دل پذیر ہے
اس باغ جاں فزا کا یہ بلبل اسیر ہے
ورثے میں ہم کو آئی ہے آدم کی جائداد
جو ہے وطن ہمارا، وہ جنت نظیر ہے

دہر کی شانِ بقا خطۂ کشمیر میں دیکھ
باغِ جنت کی ہوا خطۂ کشمیر میں دیکھ
ذرّے ذرّے سے ہے اک حسن کا طوفان بپا
جوش میں لطفِ خدا خطۂ کشمیر میں دیکھ

جبکہ مطبوعہ رباعیاں دو ہیں:

مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں
مغرب میں مگر مشین بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلّے
واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں(۷)

گُل گفت کہ عیش نو بہارے خوشتر
یک صبح چمن ز روزگارے خوشتر
زاں پیش کہ کس ترا بدستار زند
مُردن بکنارِ شاخسارے خوشتر(۸)

اس کے برعکس علامہ کے ہاں بحرِ ہزج مسدس میں لکھی گئی دوبیتیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ بالِ جبریل میں ۴۱ اور ارمغانِ حجاز (اردو) میں دو حصوں کے تحت ۱۳ دوبیتیاں رقم کی گئی ہیں۔ یوں اقبال کے اردو کلام میں کل ۵۴ دوبیتیاں ملتی ہیں جبکہ فارسی کلام میں ان کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ اس ضمن میں پیامِ مشرق میں 'لالۂ طور' کے زیرِ عنوان ۱۶۳ اور ارمغانِ حجاز کے پانچ حصوں، 'حضورِ حق'، 'حضورِ رسالت'، 'حضورِ ملت'، 'حضورِ عالمِ انسانی' اور 'بہ یارانِ طریق' میں ۳۹۴ دوبیتیاں موجود ہیں۔ علامہ کو یہ بحر اور وزن اس قدر مرغوب ہے کہ شیخ محمود شبستری کی مثنوی کے جواب میں گلشنِ راز، جدید پیش کرتے ہوئے، ان کی نگاہِ انتخاب اسی پر پڑی۔ شعرِ اقبال میں 'رباعیات' کے تحت مرقوم دوبیتیاں رباعی کے مروجہ نظامِ اوزان اور شرائط و قیود سے مکمل طور پر انحراف کر کے خود اپنا ایک نظام تشکیل دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں وہ بابا طاہر عریاں کے اثرات جذب کرتے اور بہت حد تک ان کا تتبع کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس مجذوب شاعر کے کلام کے گرویدہ ہونے کے باعث وہی جذب و جنوں، سوز دروں اور بے نیازانہ و مستانہ لَے اُن کی دوبیتیوں میں جاری و ساری ہے۔ مزید یہ کہ ان کا انفرادی انداز اس قلندرانہ طرزِ کلام سے مل کر بے مثال شعر پارے تخلیق کرتا ہے۔ ان دوبیتیوں کے ہر ایک مصرعے سے اقبال کے داخلی سوز، وفورِ شوق اور شدتِ احساس کا پتا ملتا ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ فکری سطح پر اقبال، اس شاعر سے بہت آگے نکل گئے ہیں یعنی بابا طاہر کے کلام میں جہاں سرتاسر جذبے کی کارفرمائی ہے، وہاں علامہ کے ہاں تحرک و حرارت اور فکر و تدبر نے انفرادی شان پیدا کر دی ہے۔ بابا طاہر کے کلام میں جذبہ ہی جذبہ ہے جبکہ اقبال کے ہاں جذبات، قوت و شوکت کے قلبی احساس سے مملو ہو کر ان کی شاعری کو نصب العین مقام عطا کرتے ہیں۔ بابا طاہر عریاں کے برعکس ان کی دوبیتیوں میں خود سپردگی کا بھی مستقل اظہار نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی احساس کی جھلکیاں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ دونوں شاعروں کے کلام کا مرکزی نقطہ 'دل' ہے مگر تعبیریں جدا جدا ہیں۔ فکری انداز اقبال کی دوبیتیوں کو ہر لحظہ نئی برق تجلی سے ہمکنار کراتا ہے۔ اقبال کے بابا طاہر سے شعری و فنی اکتسابات کے ضمن میں ناقدین کے ذیل کے اقتباسات لائقِ مطالعہ ہیں:

''......علامہ رباعی کے متعارفہ اوزان میں جن میں کثرت سے زحاف ہوتے ہیں، رباعی نہیں کہتے بلکہ انھوں نے اپنے لیے اس صنف کے ایک خاص وزن کو مخصوص کر لیا ہے جو ہزج سالم کی ایک صورت ہے۔ اس بحر میں عربوں نے اپنے لطیف ترین گانوں کی دھنیں باندھی ہیں اور بابا طاہر عریاں

نے جو اوائل عہد سلاجقہ کبیر کا رباعی گو ہے، اس وزن کو گویا اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ اس وزن کی شیرینی اور عدم پیچیدگی کی وجہ سے غالباً علامہ نے بھی تمام رباعیات اسی وزن میں کہیں......"(۹)

"......بابا طاہر کی رباعیوں کی ہیئت، ان کے آہنگ اور ان کے وزن نے اقبال کو اس قدر متاثر کیا کہ اقبال نے شیفتگی و وارفتگی کے عالم میں یہ طے کیا کہ وہ عمر بھر بابا طاہر کے قدم پر چلیں گے......"(۱۰)

"اقبال نے اُردو کی تمام رباعیات، بحرِ ہزج کے اس مخصوص وزن میں کہی ہیں، جس میں بابا طاہر نے داد سخن دی ہے۔ دقتِ نظر، نکتہ سنجی، اور لطافتِ معانی کے اعتبار سے اقبال کی رباعی اُردو میں اس صنفِ سخن کے ممکنات کا اظہار کامل ہے۔ تعجب ہے کہ اقبال، شاعری سے منکر ہوتے ہوئے بھی اپنی رباعیات کے لیے ایسا مترنم اور خوش آہنگ پیکر تخلیق کر گئے جو اپنی نظیر آپ ہے۔ اقبال کی رباعیات میں مابعد الطبیعیات کے تعقلات اور تصورات سے لے کر حیرت خانۂ تصوف کی واردات تک بھی کچھ موجود ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ارمغانِ حجاز میں انھوں نے جو کچھ گفتنی تھا، رباعی کے قالب میں ڈھال کر کہہ دیا۔ بالِ جبریل میں علامہ کی جو رباعیات ہیں، ان سے پتا چلتا ہے کہ اس صنفِ سخن کے امکانات کتنے بے حصر و بیکراں ہیں۔ اقبال نے رباعی کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے کہ اب اس کا مزید ارتقا پانا ضروری ہے۔ اقبال نے رباعی کے تمام ممکنات کی طرف اشارہ کر کے بتا دیا ہے کہ اس صنفِ سخن میں لطیف ترین واردات اور تجربات کیے جا سکتے ہیں......"(۱۱)

"......اقبال نے رباعی کے خاص وزن کی طرف توجہ نہیں دی مگر اپنے زورِ بیان سے دوبیتی کو رباعی بنا دیا ہے۔ رباعی کے چار اشعار (مصرعوں؟) میں کوئی خاص مضمون بیان کیا جاتا ہے۔ اقبال کی دوبیتیوں کا بھی یہی عالم ہے۔ شعرا نے بالعموم رباعی یا دوبیتی کی ظاہری ہیئت کی پابندی کی ہے۔ پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع مردف و مقفیٰ ملتا ہے جبکہ تیسرا مصرع آزاد نظر آتا ہے یا بعض جگہ مقفیٰ اور مردف ___ اقبال نے متعدد دوبیتیوں میں پہلا اور تیسرا مصرع بے ردیف و قافیہ رکھا اور اس طرح اپنی آزادہ روی اور جدت پسندی کا ثبوت دیا......"(۱۲)

''.....علامہ اقبال نے اس مجذوب شاعر (بابا طاہر عریاں) کی رباعی کے وزن اور انداز کو فصیح اور شیریں فارسی میں سمونے کی کامیاب کوشش کی ہے البتہ دونوں کی رباعیات میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ جہاں بابا طاہر کا کلام سراپا جذبہ ہے، اقبال کے کلام میں جذبے کے ساتھ فکر عمیق کی ہم آہنگی بھی ہے۔ بابا طاہر کے ہاں خود سپردگی، جذب و مستی اور سوز و آشفتگی کی ایک مستقل کیفیت ہے۔ شاعری کی زندگی سراپا عشق ہے اور وہ اس کے اندر پوری طرح جذب ہو کے رہ گیا ہے۔ اگرچہ عشق، اقبال کے فلسفۂ حیات میں خودی کی طرح مرکزی حیثیت رکھتا ہے، مگر اقبال نے اس کی قوت وعظمت اور وسعت کا ذکر عاشق کے علاوہ ایک مفکر کے نقطۂ نظر سے کیا ہے.....''(۱۳)

تاہم دلچسپ بات یہ ہے کہ اقبال بحر ہزج مقصور یا محذوف میں لکھی گئی اپنی ان دوبیتیوں کو رباعیات میں ہی شمار کرتے رہے اور اس ضمن میں نہ صرف ان کے مطبوعہ کلام میں ایسی دوبیتیوں کو 'رباعیات' کے زیر عنوان شامل کیا گیا بلکہ ان کے ایسے بیانات موجود ہیں جن میں وہ انھیں رباعیات کہنے اور کہلائے جانے پر اصرار کرتے ہیں مثلاً چند اقتباسات دیکھیے:

''.....ایک چھوٹی سی رباعی عرض ہے.....

ترا یک نکتۂ سربستہ گویم
اگر درپ حیات از من بگیری
بمیری گر بہ تن جانے نہ داری
وگر جانے بہ تن داری نمیری''(۱۴)

''.....میری رائے میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن مرحوم کے مزار پر مندرجہ ذیل رباعی بطور کتبے کے لکھنی چاہیے.....

دل من راز دان جسم و جان است
نہ پنداری اجل بر من گران است
چہ غم گر یک جہاں گم شد ز چشمم
ہنوز اندر ضمیرم صد جہان است''(۱۵)

''.....اگر آپ کو مضمون لکھنے کی زحمت گوارا ہی کرنا ہے تو ایک رباعی حاضر کرتا ہوں۔ اس پر لکھیے.....وہ رباعی مندرجہ ذیل ہے:

تو اے کودک منش خود را ادب کن
مسلماں زادۂ ای، ترکِ نسب کن
برنگِ احمر و خون و رگ و پوست
عرب نازد اگر، ترکِ عرب کن"(۱۶)

"......ایک رباعی اور عرض کرتا ہوں:

میانِ آب و گِل خلوت گزیدم
ز افلاطوں وفا را لب بریدم
نہ کردم از کسے دریوزۂ چشم
جہاں را جز بچشمِ خود ندیدم"(۱۷)

"......دوسری اشاعت میں متعدد نظموں، غزلوں اور رباعیات کا اضافہ ہوا ہے، بعض بعض جگہ لفظی ترمیم بھی ہے۔ کتاب کی ترتیب بحیثیت مجموعی وہی ہے، جو پہلے تھی......"(۱۸)

"......مجھے یقین ہے کہ اگر آپ کے شاگرد پیام مشرق (بالخصوص رباعیات اور قطعات) اور رموزِ بے خودی کی چند فصلوں کا مطالعہ کریں......تو ان کو میرے عمومی نظریہ حیات کو سمجھنے میں مدد ملے گی......"(۱۹)

"......میری تیسری تصنیف پیام مشرق ہے جو گوئٹے کے دیوان کے انداز و اسلوب پر لکھی گئی تھی۔ اس کے بعض حصوں میں جرمن شاعر ہائین اور گوئٹے کا جواب ہے۔ آغاز میں رباعیات ہیں جو مشہور صوفی شاعر بابا طاہر عریاں کے تتبع میں لکھی گئی ہیں مثلاً آرٹ اور نیچر کے متعلق یہ رباعی۔

بہ یزداں روزِ محشر برہمن گفت
فروغِ زندگی تابِ شرر بود
و لیکن گر نہ رنجی با تو گویم
صنم از آدمی پائندہ تر بود

گدائے جلوہ رفتی بر سر طور
کہ جان تو ز خود نا محرمے ہست
قدم اندر تلاش آدمے زن
خدا ہم در تلاش آدمے ہست" (۴۰)

" آیندہ، رباعیات کسی اچھے کاغذ پر ٹائپ کرا کر ارسال کریں تو بہتر ہو......" (۴۱)

"...... ہر رباعی علیحدہ کاغذ پر لکھوایئے...... ہر کاغذ میں تھوڑی سی جگہ صاف رہے تاکہ میں اس پر مترجم کی رہنمائی کے لیے تشریحی نوٹ لکھ سکوں......" (۴۲)

" مہربانی کر کے ایک ہی دفعہ بہت سی رباعیات نہ بھیج دیا کریں۔ تھوڑی تھوڑی بھیجا کریں۔ ان کو رباعیات کہنا غلط نہیں۔ بابا طاہر عریاں کی رباعیات جو اس بحر میں ہیں، رباعیات ہی کہلاتی ہیں۔ ان میں قطعات بھی داخل ہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ یہ رباعیات، رباعی کے مقررہ اوزان میں نہیں ہیں، مگر اس کا کچھ مضائقہ نہیں......" (۴۳)

" امید ہے کہ جو رباعی میں نے آپ کو ارسال کی تھی، وہ آپ نے صفحہ ۱۹ پر لکھ دی ہوگی۔ اس کاپی میں (جو واپس کر رہا ہوں) چار جگہیں خالی ہیں، ان کو بھی پُر کرنا ہے۔ اس واسطے مندرجہ ذیل تین رباعیاں بھیجتا ہوں، ان کو بھی اس کاپی میں لکھ دیں...... جو جگہیں خالی رہ جائیں، ان کے لیے اور رباعیاں بھیجوں گا، کیونکہ خالی جگہ بُری معلوم ہوتی ہے......" (۴۴)

"...... آپ بے تکلف وہ رباعی، جو آپ کو پسند آ گئی ہے، اپنے نام سے مشہور کریں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے......" (۴۵)

"...... مسعود مرحوم کے کتبۂ مزار کے لیے میں نے مندرجہ ذیل رباعی انتخاب کی ہے

نہ پیوستم دریں بستاں سرا دل
ز بندِ این و آں آزادہ رفتم
چو باد صبح گردیدم دمِ چند
گلاں را رنگ و آبے دادہ رفتم

یہ رباعی میں نے اپنے کتبہ مزار کے لیے لکھی تھی لیکن تقدیر الٰہی یہ تھی کہ مسعود مرحوم مجھ سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو جائیں حالانکہ عمر کے اعتبار سے مجھ کو ان سے پہلے جانا چاہیے تھا، اس کے علاوہ رباعی کا مضمون مجھ سے زیادہ ان کی زندگی اور موت پر صادق آتا ہے......" (۳۶)

اس سلسلے میں ڈاکٹر عندلیب شادانی نے اپنے مضمون 'ترانہ، دوبیتی، رباعی' میں اقبال سے گفتگو کا ایک حصہ پیش کیا ہے، جس سے انھی بیانات کی تصدیق ہوتی ہے، یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"......ایک دن میں نے علامہ مرحوم سے پوچھا کہ پیام مشرق میں 'لالۂ طور' کے ماتحت جو اشعار درج ہیں، ان کے لیے آپ نے 'رباعیات' کا عنوان کس بنا پر اختیار فرمایا ہے حالانکہ وہ اشعار رباعی کے مخصوص وزن پر نہیں ہیں۔ علامہ نے فرمایا کہ بابا طاہر عریاں ہمدانی کی 'رباعیات' تو آپ نے دیکھی ہوں گی۔ میں نے عرض کیا کہ دیکھی ہیں۔ اس پر علامہ نے بابا طاہر کی یہ رباعی پڑھی:

نسیمے کز بنِ آں کاکل آیو
مرا خوشتر ز بوئے سنبل آیو
چو شو گیرم خیالش را در آغوش
سحر از بسترم بوئے گل آیو

اور فرمایا کہ دیکھیے اس کا بھی وہی وزن ہے، جو میرے زیر بحث اشعار کا ہے اور یہ رباعی کا مخصوص وزن نہیں۔ اس کے باوجود اہل ایران انھیں رباعی ہی کہتے ہیں اور ایران، ہندوستان اور یورپ میں جتنے مجموعے کلام بابا طاہر کے چھپے ہیں، ان سب کے سرورق پر 'رباعیات بابا طاہر' ہی لکھا ہے۔ جہاں تک فارسی کا تعلق ہے، ایرانی اہل زبان ہیں اور ہم زبان داں اور اصولاً زبان کے معاملے میں جمہور اہل زبان کا تتبع زبان دانوں کے لیے ضروری ہے۔ دستور زبان کے کلیات بجائے خود درست ہیں لیکن استثنا کی صورتوں میں اہل زبان کی پیروی لازم ہے۔ مانا کہ رباعی کا ایک مخصوص وزن ہے لیکن بابا طاہر کے اشعار کو اگر اہل ایران عام طور پر رباعی کہتے ہیں تو ہمیں کیا حق ہے کہ عروض کی

کتابوں کا سہارا لے کر ہم ان پر اعتراض کریں۔ اسی بنا پر میں نے اپنے اشعار زیر بحث کو رباعی کہنا درست سمجھا کیونکہ وہ بھی بابا طاہر کی رباعیات کے وزن پر ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مخصوص وزن کے علاوہ رباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعوں کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ اگر پہلے مصرعے میں قافیہ نہ ہو تو ہم اُسے قطعہ کہتے ہیں اور آپ کی رباعیات میں اس قسم کے قطعات بھی شامل ہیں، ان کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ فرمایا کہ یہ اعتراض آپ کا صحیح ہے اور سہو کاتب ہے کہ رباعیات و قطعات کے بجائے اس نے صرف رباعیات لکھا......" (۲۷)

اقبال کے اس قبیل کے ارشادات کے نتیجے میں دوبیتیوں کے باب میں ان پر اعتراضات کا در وا ہوا مثلاً اس ضمن میں یہ احساس ابھرا کہ اقبال غیر رباعی اوزان سے رباعی کے وزن کی شناخت نہ کر سکے اور بعض غیر رباعی اوزان کو رباعی سمجھتے رہے۔ رباعی کے فن کی اسی پیچیدگی کے سبب انھیں اسے برتنا دشوار محسوس ہوا تو وہ بحر ہزج مسدس مقصور یا محذوف میں لکھتے رہے اور بڑی سہولت کے ساتھ ایسے شعر پاروں کو رباعیات سے موسوم کرتے رہے:

"......ترانہ، موسیقی میں باعتبار اقسام الحان و رنگینی نغمات خواہ کتنا ہی دلپذیر و خوش آیند کیوں نہ ثابت ہو عروضی اوزان کے اعتبار سے ہمیشہ دقت اور دشواری کا سامان بنا رہا ہے۔ غیر رباعی اوزان سے اس کے اوزان کی شناخت نہ صرف عوام بلکہ شعرا کے لیے بھی ایک کٹھن مرحلہ ہے۔ اس کے متعلق اکثر لوگوں کو اشتباہ لگ جاتا ہے...... بہت لوگوں کو رباعی کے باب میں دھوکا ہوا ہے ڈاکٹر سر محمد اقبال کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بعض غیر رباعی اوزان کو رباعی سمجھتے رہے اور جب انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اس کے ازالہ کی کوشش کی......" (۲۸)

"......اقبال، عروض کے نکات سے چنداں آشنا نہیں معلوم ہوتے۔ وہ صرف بحر ہزج مسدس یعنی مفاعیلن مفاعیلن فعولن ہی کو نہیں بلکہ بعض جگہ تو ایسے اوزان کو بھی رباعی کہہ گئے ہیں جن کا بحر رباعی سے کیا بلکہ رباعی کے مخرج، بحر ہزج ہی سے کوئی تعلق نہیں ہے......" (۲۹)

چنانچہ اقبال کے ان شعر پاروں کے صنفی تعین کے متعلق ناقدین کے ہاں مختلف بیانات ملتے ہیں۔ بعض نے انھیں رباعیات یا دوسرے وزن کی رباعیاں قرار دیا ہے۔ (۳۰) اور بعض کے خیال میں یہ فارسی اوزان کے بجائے سنسکرت سے زیادہ قریب ہیں۔ (۳۱) خاص طور پر ان دوبیتیوں کو قطعات، قطعہ نما رباعیات یا رباعی نما قطعات سے تعبیر کرنے کا رجحان سامنے آیا،

جیسے:

''......علامہ اقبال کو عروض پر عبور کامل تھا، اس میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں، اس کے باوجود انھوں نے بالِ جبریل اور ارمغانِ حجاز میں متعدد قطعات کو رباعی کا عنوان دیا......رباعی کے لیے چوبیس اوزان مقرر ہیں جو ایک دوسرے سے بہت مماثل ہیں، ان کے علاوہ کسی اور وزن میں اس ہیئت کی نظم لکھی جائے تو اسے قطعہ کہیں گے، رباعی نہیں......'' (۳۲)

''......مخصوص وزن کے سوا کسی وزن کے دو قطعہ بند شعروں کو رباعی نہیں کہہ سکتے......ہمیں اب تک کسی مستند ہندوستانی یا ایرانی ماہر فن کی کوئی ایسی رائے نظر نہیں آئی جس میں اس نے کسی اور وزن کے قدیم یا جدید شعروں کو رباعی کہنے کا مشورہ دیا ہو محتاط علمائے فن نے قطعہ رباعی اور دو بیتی کو الگ کرنے میں ہر جگہ پوری احتیاط برتی ہے اور جیسا کہ ابھی کہا جا چکا ہے کہ کسی ہندی، ایرانی عروض نویس یا قواعد نگار کا کوئی ایسا قول نہیں ملا جس میں بحر ہزج مثمن یعنی چہار رکنی مصرعوں کے سوا بحر ہزج مسدس یعنی سہ رکنی مصرعوں کو رباعی بتایا گیا ہو......'' (۳۳)

''......ڈاکٹر صاحب نے دو دو شعر کے بہت سے قطعے لکھے ہیں، جنھیں صورتاً تو رباعی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ رباعی کی متداول بحروں میں نہیں ہیں لیکن معناً ان کو قطعہ نما رباعی کہہ سکتے ہیں......'' (۳۴)

''اقبال نے قطعات میں بہت سے تجربے کیے ہیں۔ انھوں نے پہلی بار اردو میں 'رباعی نما قطعات' کو مستقل حیثیت دی۔ ان قطعات کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ رباعی کی طرح ہر مصرعے میں خیال کی رو تیز تر ہوتی جائے اور آخری مصرعے میں نقطۂ عروج تک پہنچ جائے اور آخری مصرعے کے ختم ہونے پر خیال قاری کے دل و دماغ پر پوری طرح چھا جائے۔ ایسے قطعات اقبال نے بیشتر بحر ہزج مسدس محذوف و مقصور میں لکھے ہیں۔ بعض لوگ انھیں 'رباعی' کہنے پر بضد ہیں۔ خود علامہ بھی انھیں رباعیات ہی کہا کرتے تھے مگر علم عروض سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ کیونکہ علم عروض کی رو سے رباعی کا وزن بحر ہزج مثمن (اخرم و اخرب) ہے۔ ان دونوں اوزان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اول الذکر بہت رواں ہے جبکہ ثانی الذکر رک رک کر چلتا ہے......'' (۳۵)

جبکہ عندلیب شادانی ان دو بیتیوں کو قطعات کے بجائے رباعیات کہتے ہیں:

''......انھیں قطعہ کہنا اس لیے درست نہیں کہ قطعے کے پہلے مصرعے میں قافیہ نہیں ہوتا اور رباعی میں ضروری ہے۔ چنانچہ جن دوبیتیوں میں باباطاہر نے پہلے مصرعے میں قافیہ اختیار نہیں کیا، اہلِ ایران نے انھیں قطعہ کہا ہے...... چونکہ اُردو کا عروض فارسی کے عروض پر مبنی ہے لہٰذا اگر اہلِ ایران ان دوبیتیوں کو بھی رباعی کہتے ہیں جو بحر ہزج مسدس مقصور یا محذوف میں لکھی جائیں اور جس کا نمونہ باباطاہر کی رباعیات ہیں تو اقبال یا کسی دوسرے شاعر کی لکھی ہوئی اردو یا فارسی کی ان دوبیتیوں کو بھی رباعی کہنا جائز ہے، جو اسی بحر و وزن میں ہوں۔ لہٰذا اقبال کی (ان دوبیتیوں کو) رباعی کہنا صحیح اور قطعہ کہنا غلط ہے...... دوبیتیاں اور بحروں میں بھی لکھی جاسکتی ہیں لیکن ہر بحر کی دوبیتی کو رباعی نہیں کہہ سکتے۔ بحر ہزج مثمن اخرب یا اخرم میں جو دوبیتیاں لکھی جائیں، انھیں رباعی کہتے ہیں۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے اور بحر ہزج مسدس مقصور یا محذوف میں جو دوبیتیاں لکھی جائیں، انھیں بھی رباعی کہتے ہیں، یہ اس قاعدہ کلیہ کا استثنا ہے۔'' (۳۶)

ڈاکٹر عندلیب شادانی کے اس بیان سے اقبال کے ہاں قطعہ رباعی تنازعہ ابھرا۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور پروفیسر جابر علی سید نے اس ضمن میں ڈاکٹر عندلیب شادانی سے شدید اختلاف کیا۔ بالخصوص ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور ڈاکٹر شادانی کے مابین اس موضوع پر مباحث نے طول بھی پکڑا۔ (۳۷) فرمان فتح پوری کے مطابق اقبال کے یہ اشعار رباعی کے مخصوص وزن میں نہیں ہیں لہٰذا انھیں رباعی کہنا غلط ہے، وہ لکھتے ہیں:

''......ڈاکٹر شادانی نے دوبیتی اور رباعی کے ناموں کو خلط ملط کر کے فروعی اور اضافی تصریحات کی مدد سے بحث کو مدلل سے کہیں زیادہ پیچیدہ تو بنادیا ہے لیکن کسی مستند عالم عروض یا ماہر فن کا کوئی حوالہ نہیں دیا...... شاعرانہ اصطلاح میں رباعی جس صنفِ سخن کا نام ہے، وہ اپنے مخصوص وزن ہی کی وجہ سے دوسرے اصناف سے ممیز ہے اور علمائے فن میں اس کے وزن کے متعلق کوئی اختلاف نہیں......
علامہ کا مذکورہ بیان محض سرسری ہے اور اس سے یہ نتیجہ مستنبط نہیں ہوتا کہ وہ اپنے اشعار کو اصطلاحی طور پر رباعی کہنے یا کہلوانے پر مصر تھے...... اقبال کی شاعرانہ عظمت سے انکار کفر ہے لیکن ایک ایسے علمی مسئلے پر جس میں تمام مستند اہلِ قلم و علمائے فن متفق الرائے ہوں، اقبال کی سرسری رائے کو فیصلہ کن سمجھنا غلطی ہے......'' (۳۸)

اسی طرح پروفیسر جابر علی سید کے خیال میں بھی عندلیب شادانی کا اقبال کے منظوموں کو

رباعیات کہنا درست نہیں اور ان کے اسی موقف کے باعث ہی کلامِ اقبال کے حوالے سے قطعہ رباعی تنازعہ نمایاں ہوا حالانکہ اقبال کو اس ضمن میں کوئی اصرار نہ تھا اور وہ ان دونوں اصنافِ شعر کے عروضی فرق سے بخوبی آگاہ بھی تھے۔ جابر علی سید اپنے مضمون: 'اقبال اور قطعہ رباعی تنازعہ' میں لکھتے ہیں:

> "..... عندلیب شادانی کا مزاج ہنگامہ پسندانہ تھا۔ انھوں نے اقبال کے ایک انحراف کو چونکانے والی بات بنالیا اور تنازعہ کافی عرصے تک چلتا رہا۔ یہ یقینی ہے کہ حیاتِ اقبال میں اگر کوئی اہلِ عروض قطعہ اور رباعی کا امتیاز تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے بیان کرتا تو وہ اسے تسلیم کر لیتے اور رباعیات بابا طاہر کے مرتب کی غلط فہمی پر صاد کرتے۔ وہ بڑے انصاف پسند تھے جب وہ قطعہ اور رباعی کے بنیادی امتیازی آہنگ کے فرق اور تعدادِ ارکان کو محسوس کرتے تو فیصلہ اپنے ہی خلاف صادر کرتے..... مرتب رباعیاتِ طاہر ہی اس تنازعے کو نمایاں کرتا ہے..... یہ تنازعہ اب ختم تصور کرنا چاہیے اور اقبال کے اس اقدام یا تصورِ رباعی کو محض ان کی قلندرانہ بے نیازی پر محمول کرنا چاہیے....."(۳۹)

گویا اقبال کے ان منظوموں کے متعلق ناقدین کے ہاں جو مختلف اشارات ملتے ہیں، ان کے مطابق: یہ رباعیاں ہی ہیں کہ اقبال نے خود انھیں رباعیات سے موسوم کیا ــــ بابا طاہر عریاں کے ایسے شعر پاروں کو اہلِ ایران اسی صنف سے منسلک کرتے آئے ہیں، لہٰذا اقبال کے ہاں بھی انھیں اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے ــــ ان اشعار کو مختلف وزن کی رباعیاں کہہ سکتے ہیں ــــ رباعی کے باب میں اکثر شعرا کو دھوکا ہوا ہے، چنانچہ اقبال بھی اس وزن کی پیچیدگی، وقت اور دشواری کے سبب اس کی شناخت نہ کر پائے ــــ اقبال، عروض کے نکات سے چنداں آشنا معلوم نہیں ہوتے ــــ اقبال کے یہ اشعار صورتاً رباعی نہیں مگر معناً قطعہ نما رباعی ہیں ــــ یہ قطعات میں تجربے کی مثال ہیں اور انھیں 'رباعی نما قطعات' کہنا چاہیے ــــ یہ قطعات ہیں، رباعی ہرگز نہیں ــــ قطعات نہیں بلکہ رباعی کے قاعدہ کلیہ کا استثنا ہیں ــــ یہ شعر پارے فارسی کے بجائے سنسکرت کے اوزان سے اثر پذیر ہیں ــــ اقبال کا یہ انحراف چونکا دینے والی بات نہیں، یہ اقدام تو محض ان کی قلندرانہ بے نیازی ہے ــــ اقبال، انصاف پسند تھے، اگر انھیں قطعہ اور رباعی کا فرق بتا دیا جاتا، تو وہ اسے بخوشی تسلیم کر لیتے ــــ اقبال کے سرسری بیان کو حرفِ آخر سمجھ کر ان فن پاروں پر رباعیات کا قیاس کرنا انصاف پسندی نہیں ــــ ناقدین کی ان آرا کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے شعرِ اقبال میں 'رباعی' کی بحث کے سلسلے میں چند امور کی وضاحت ضروری

ہے۔ اوّلاً تو اس امر کی تکذیب لازمی ٹھہرتی ہے کہ علامہ عروض ناآشنا تھے۔ اقبال کا کلام شاہد ہے کہ انھیں اس بات کا مکمل ادراک تھا کہ بحور اور اوزان شعر پارے کے خارجی آہنگ کو گہرا کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ وزن شعر کا لازمہ ہے اور یہ کہا کرتے تھے کہ:

"اگر ہم نے پابندیِ عروض کی خلاف ورزی کی تو شاعری کا قلعہ ہی منہدم ہو جائے گا۔" (۴۰)

پھر ایسا شاعر کیونکر عروض سے ناآشنا ہو سکتا ہے! اقبال نے تو فنِ عروض پر اپنی مشاقی و مہارت ہی کے باعث مروج اوزان و بحور میں متعدد مقامات پر بے حد تنوع دکھایا ہے (۴۱) شعرِ اقبال میں اسی امر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے عبدالمجید سالک نے لکھا ہے کہ:

"اقبال اتنا عظیم شاعر تھا کہ وہ دس بیس نئے اوزان کا تعارف کرا دیتا تو دنیا انھیں بلا چون و چرا تسلیم کر لیتی لیکن اس نے گوارا نہ کیا اور ہمارے ذوق کی رعایت تا بحدِ امکان مدِ نظر رکھی۔" (۴۲)

اقبال کا کلام، ان کے مکاتیب اور مختلف بیانات بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ عروضی و فنی رمزوں سے آگاہ تھے۔ انھوں نے نہ صرف متعین اوزان میں رباعیاں لکھیں بلکہ سید نذیر نیازی کے مطابق علمِ عروض سبقاً سبقاً پڑھا (۴۳) ہاں 'رباعی' کی صنف کو زیادہ تر انھوں نے اس کی مکمل شرائط و قیود اور اوزان و بحور کی جکڑ بندیوں سمیت قبول نہ کیا اور انھیں اس حوالے سے کوئی دعویٰ بھی نہ تھا۔ وہ اگر اپنی دو بیتیوں کو رباعیات قرار دیتے تھے تو اس کا سبب بھی انھوں نے بابا طاہر عریاں کا اتباع قرار دیا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کے اس قبیل کے شعر پارے نہ تو رباعیاں ہیں کہ یہ رباعی کے متعین پیمانوں پر پورے نہیں اترتے اور نہ ہی یہ قطعات ہیں کہ اگر انھیں قطعے ہی لکھنے مقصود ہوتے تو وہ اپنے طریقے کے مطابق انھیں قطعوں کی ذیل میں باقاعدہ عنوانات کے تحت شامل کراتے اور اس حوالے سے محض بابا طاہر کی بحر اور وزن کو اختیار نہ کرتے۔ اسی طرح یہ 'صورتاً رباعی اور معناً قطعہ نما رباعی' بھی نہیں اور نہ ہی 'رباعی نما قطعات' ہیں کہ اقبال قطعہ و رباعی کا فرق جانتے تھے۔ یہ منظومے رباعی کے قاعدہ کلیہ کا استثنا بھی نہیں اور نہ ہی سنسکرت کے اوزان سے اثر پذیر ہیں۔ یہ اقبال کی 'قلندرانہ بے نیازی' بھی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اشعار دل پذیر تو صرف بابا طاہر عریاں سے اثر پذیر ہیں۔ اقبال کہا کرتے تھے کہ:

"کسی شاعر کو داد دینے کا بہترین طریق یہ ہے کہ اگر داد دینے والا شاعر ہو تو جس کو داد دینا مقصود ہو تو اس کے رنگ میں شعر لکھے یا بالفاظِ دیگر اس کا تتبع کر کے اس کی فوقیت کا اعتراف کرے۔" (۴۴)

یوں سمجھ لیجیے کہ اقبال چونکہ اس صوفی شاعر کے کلام کے والہ وشیدا تھے، لہٰذا اپنے داخلی سوز وکرب کو چار مصرعوں میں روانی وتسلسل کے ساتھ ڈھالتے ہوئے ان کی نگاہِ انتخاب بابا طاہر کی اختیار کردہ بحر اور وزن پر پڑی اور انھیں محسوس ہوا کہ یہی وہ رنگ ہے جسے اپنا کر وہ اپنے واردات قلبی کو موثر شعری پیرائے میں ڈھال سکتے ہیں۔ اس امر کا اعتراف انھوں نے اپنے مکاتیب میں بھی کیا اور اپنے ان شعر پاروں کو 'رباعیات' کہنے پر بھی انھوں نے صرف اسی لیے خفیف سا اصرار کیا کہ بابا طاہر کی دوبیتیوں کو اہلِ ایران نے رباعیات ہی کہا ہے، چنانچہ اس تتبع میں ان اشعار کو بھی رباعیات کہنے میں 'مضائقہ نہیں'۔ ورنہ حقیقتاً تو علامہ کے اس قبیل کے اشعار رباعی کے بجائے قدیم پہلوی منظوموں، فہلویات (جدید معنوں میں ترانے یا دوبیتیاں) ہیں اور انھی کے فنی سانچوں سے عین مِن مطابقت رکھتے ہیں۔ جس طرح بابا طاہر عریاں کی دوبیتیوں کو مربع شکل میں ہونے کے باعث رباعیات کہہ لیا جاتا تھا، اسی پس منظر میں اقبال نے اپنے اس بحر ووزن میں لکھے گئے مترنم اشعار کو تقلیداً رباعیاں قرار دے دیا۔ پھر یہ کہ اقبال نے یہ دوبیتیاں بابا طاہر کے رنگ میں صرف تتبع کرنے یا داد دینے اور ان کی فوقیت کا اعتراف کرنے کے لیے ہی نہیں کہیں بلکہ لُری زبان کے اس شاعرِ بے مثال کی دوبیتیوں میں جو شیرینی ونغمگی اور موسیقی وروانی ہے، وہ بھی کافی حد تک علامہ کے پیشِ نظر رہی۔ یاد رہے کہ بحور کے انتخاب کے سلسلے میں اقبال کا یہ خاص طریقہ رہا ہے کہ وہ زیادہ تر مروج بحروں کو ہی اپناتے ہیں لیکن جہاں کہیں وہ محسوس کرتے ہیں کہ متعین سانچوں سے آہنگ ونغمگی میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے وہاں وہ انھیں توڑنے یا ان میں لچک پیدا کرنے سے ہرگز نہیں ہچکچاتے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایسا خال خال ہی ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اقبال کے کلام میں اصل تقدیم ترنم ونغمگی کو حاصل ہے (۴۵) اور بابا طاہر عریاں کی بحر سے پسندیدگی کا ایک بڑا سبب بھی یقیناً حصول ترنم تھا کہ موسیقیت ونغمگی علامہ کی شعری وفنی اقلیم کا وہ بنیادی عنصر ہے جس پر انھوں نے کسی مقام پر سمجھوتہ نہ کیا اور اسی شعری خوبی کے باعث یہ کہا گیا کہ: "ان کا ایک مصرع ایسا نہیں ہوتا جو نازک سے نازک ساز پر گایا نہ جا سکتا ہو۔" (۴۶) پھر یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ اقبال کمال درجے کے خلاق شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ پیغامبری کا پہلو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ حتیٰ کہ بحروں کا انتخاب کرتے ہوئے بھی وہ اس امر سے پہلوتہی نہیں

کرتے۔" اقبال کی بحروں کے تجزیے سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اقبال نے جو بحریں استعمال کی ہیں وہ ان کے مقصد، مزاج شاعری اور نقطۂ نظر، جذبے کی شدت اور فکر کی معنویت نیز سنجیدگی کے لیے موزوں ترین ہیں۔ چونکہ اقبال شاعری کو 'حرف تمنا' اور 'جزویست از پیغمبری' خیال کرتے تھے اور اس کے ذریعے ایک مخصوص پیغام عمل دینا چاہتے تھے اس لیے انھیں ایسی ہی تند و تیز، پُرخروش اور پُرجلال بحروں کی ضرورت تھی۔" (۴۷) چنانچہ بابا طاہر عریاں کی بحر میں انھیں دل میں اتر جانے کی خاصیت دکھائی دی کہ ایک اجنبی زبان میں ہونے کے باوجود بابا طاہر کی دوبیتیاں دل کے تاروں کو چھو لیتی ہیں۔ اقبال، ترسیل مطلب کا یہی دلنشیں انداز پسند کرتے تھے، لہٰذا بحر ہزج مسدس میں رباعی کہنے لگے۔ یہ درست ہے کہ رباعی کے اصول و قواعد پر یہ شعر پارے پورے نہیں اترتے اور آج کی زبان میں انھیں دوبیتیاں کہنا ہی زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے لیکن یہ امر بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ علامہ کی دوبیتیاں اس اعتبار سے امتیازی شان رکھتی ہیں کہ ان میں رباعی اور دوبیتی کے اوصاف مل گئے ہیں۔ یہ بھی مصرّع اور غیر مصرّع ہیں، ان میں بھی چاروں مصرعے زنجیر کی کڑیوں کے مانند ایک دوسرے میں پیوست ہیں اور تدریجی ارتقا بھی رکھتے ہیں۔ خاص طور پر چوتھا مصرع کسی نتیجے کا استخراج کرتا ہے۔ نیز متنوع موضوعات انھیں رباعی کے روایتی پند و نصائح پر مبنی موضوعاتی دائرے سے کہیں آگے لے جاتے اور ندرت بخشتے دکھائی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد ریاض نے بجا لکھا ہے کہ:

"اقبال نے رباعی کے خاص وزن کی طرف توجہ نہیں دی مگر اپنے زورِ بیان سے دوبیتی کو رباعی بنادیا ہے...... تسلسلِ بیان اور وسعتِ معانی کے لحاظ سے اقبال کی ہر دوبیتی اُردو یا فارسی کے بڑے بڑے رباعی گو شعرا جیسے اکبر یا حالی یا خیام، رومی، سعدی اور سحابی وغیرہ کی ہر رباعی کے مقابلے میں رکھی جا سکتی ہے......" (۴۸)

یہاں اقبال کے اردو (۴۹) اور فارسی (۵۰) کلام سے اس منفرد اور ممیز موضوعاتی تنوع کی عکاس دوبیتیاں دیکھیے جو اس نادرِ روزگار شاعر کے ہاں بابا طاہر عریاں کے رنگِ شعر کو وسعت دیتی اور اس کی فنی مہارت پر دلالت کرتی دکھائی دیتی ہیں:

وہ میرا رونقِ محفل کہاں ہے   مری بجلی مرا حاصل کہاں ہے
مقام اُس کا ہے دل کی خلوتوں میں   خدا جانے مقامِ دل کہاں ہے

(بالِ جبریل، ۸۳)

چمن میں رختِ گل شبنم سے تر ہے　　سمن ہے، سبزہ ہے، بادِ سحر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم　　یہاں کا لالہ بے سوزِ جگر ہے
(//،۸۵)

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے　　اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر　　شبانی سے کلیمی دو قدم ہے
(//،۸۸)

حدیثِ بندۂ مومن دل آویز　　جگر پُر خوں، نفس روشن، نگہ تیز!
میسر ہو کسے دیدار اس کا　　کہ ہے وہ رونقِ محفل کم آمیز!
(ارمغانِ حجاز، اردو، ۳۱)

بباغاں بادِ فروردیں دہد عشق　　براغاں غنچہ چوں پرویں دہد عشق
شعاعِ مہر او قلزم شگاف است　　بماہی دیدۂ رہ بیں دہد عشق
(پیامِ مشرق، ۳۶)

جہاں یارب چہ خوش ہنگامہ دارد　　ہمہ را مستِ یک پیمانہ کردی
نگہ را با نگہ آمیز دادی　　دل از دل، جاں ز جاں بیگانہ کردی
(//،۳۵)

من از بود و نبودِ خود خموشم　　اگر گویم کہ ہستم خود پرستم
ولیکن ایں نوائے سادۂ کیست　　کسے در سینہ می گوید کہ ہستم
(//،۴۳)

کسے کو بر خودی زد لا الٰہ را　　ز خاکِ مردہ رویاند نگہ را
مدہ از دست دامانِ چنیں مرد　　کہ دیدم در کمندش مہر و مہ را
(ارمغانِ حجاز، فارسی، ۶۹)

قلندر میلِ تقریرے ندارد　　بجز ایں نکتہ اکسیرے ندارد
ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیست　　کہ آب از خونِ شبیرؑ ے ندارد!
(//،۱۳۶)

شعری وفنی اعتبار سے بھی یہ دوبیتیاں کلامِ اقبال میں دیگر اصناف کی طرح نہایت منفرد

انداز میں جلوہ گر ہوئی ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان میں بھی وہی محسناتِ شعری ہیں جو دیگر ہیئتوں اور اصناف میں جاری و ساری ہیں مگر یہاں اقبال کا طرزِ اظہار جداگانہ لذت دیتا ہے۔ شعریت، روانی اور تسلسل ان دوبیتیوں کا خاصہ ہے۔ اقبال نے ان دوبیتیوں میں اپنے فلسفۂ زیست کی مختلف جہتوں کی امکانی سطحیں دریافت کر کے انھیں متنوع شعری پیرہن میں ڈھالنے کی سعی کی ہے۔ امیجری، تضاد و تقابل، تکرار لفظی، تشبیہ و استعارہ، تلمیح اور علامت و کنایہ اور دیگر صناعانہ خوبیوں کے ہم آہنگ ترنم و موسیقیت، بلاغت و جامعیت اور موثر لفظی در و بست نے ان کے ہاں دقیق سے دقیق فلسفے کی پیش کش نہایت سہولت کے ساتھ کی ہے اور ہر موقعے پر ان کا انداز بیان وارداتِ قلبی اور شدتِ احساس سے سرتا سر لبریز ہے۔ بالخصوص حرکی تمثالوں کی تخلیق ان کے متحرک فلسفۂ زیست کی آئینہ داری کرتی ہے اور ان کے کلام کو گہرائی و گیرائی بخش دیتی ہے۔ بعض استعارے، علامتیں اور تمثیلیں بہت قوی اور جاندار ہیں اور ان سے اقبال کے کلام میں مجرد تصورات کی تجسیم پر تاثیر انداز میں ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخی تسلسل اور عصری شعور کی عکاسی بطریق احسن ہو پائی ہے۔ مزید یہ کہ ان دوبیتیوں میں مختلف شعری لہجوں کی علاوتیں محسوس کی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ جہاں خود کلامی کا لہجہ علامہ کی ذاتی کشمکش کو آئینہ کرتا ہے، وہاں طنزیہ اور خطابیہ لہجے تفکر و تدبر کی دعوت دینے اور قلوب و اذہان کو جھنجھوڑنے کی صلاحیت سے متصف دکھائی دیتے ہیں۔ ان دوبیتیوں میں اقبال نے کرداری اور ڈرامائی رنگ سے بھی نادرہ کاری کی ہے اور ان تمام محسناتِ شعری کی پیش کش میں ان کے لفظی شکوہ، تراکیب کی چستی، اصوات کے جادو اور مختلف شعری تلازمات نے اہم کردار ادا کر کے ان دوبیتیوں کو کلامِ اقبال کا ایک قابلِ ستائش حصہ بنا دیا ہے۔

حوالے اور حواشی:

۱۔ اقبال نے یہ رباعی 'انجمن حمایت اسلام' کے سالانہ جلسے (یکم تا ۳ اپریل ۱۹۰۳ء) کے دوسرے اجلاس میں پڑھی۔ اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام میں اس ضمن میں لکھا ہے کہ:

''مولانا حالی کی نظم سنانے کے لیے شیخ محمد اقبال اسٹیج پر تشریف لائے تو نظم سنانے سے پہلے ایک فی البدیہہ رباعی نہایت خوش الحانی سے سامعین کے سامنے پیش کی، جسے سنتے ہی سب لوگ پھڑک اٹھے، کیونکہ موقع کی چیز تھی اور نہایت ہی ادیبانہ طرز کے ساتھ کہی گئی تھی.....''

ملاحظہ کیجیے کتاب مذکور، از محمد حنیف شاہد، لاہور: کتب خانہ انجمن حمایت اسلام، جولائی ۱۹۷۶ء، ص ۸۱

نیز دیکھیے:

ابتدائی کلام اقبال__ بہ ترتیب ماہ و سال ڈاکٹر گیان چند، کراچی: شائستہ پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۸ء، ص ۲۴۷

۲۔ ''یہ رباعی سب سے پہلے زمانہ، کانپور بابت جون ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی جہاں سے لے کر اسے تبرکات اقبال میں شامل کیا گیا، حیرت ہے کہ باقیات کے کسی اور مجموعے میں نہیں۔''

(ابتدائی کلام اقبال۔ بہ ترتیب ماہ و سال، ص ۲۸۲)

نیز مطالعہ کیجیے۔ تبرکاتِ اقبال: بشیر الحق دیسنوی، دہلی: کوہ نور پریس، اپریل ۱۹۵۹ء، ص ۳۰

۳۔ باقیاتِ اقبال، (مرتبہ) محمد عبداللہ قریشی و عبدالواحد معینی، لاہور: آئینۂ ادب طبع سوم ۱۹۷۸ء، ص ۴۰۷

۴۔ اس رباعی کے حوالے سے گیان چند جین نے اپنے مضمون 'اقبال کی رباعیاں' میں لکھا ہے کہ پہلی بار یہ رباعی رسالہ شگوفہ حیدرآباد (دکن) کے اقبال نمبر، اپریل ۱۹۸۶ء، (ص ۵۶) کے ایک مضمون میں شامل کی گئی اور اس کے متعلق اس رسالے میں درج ہے کہ علامہ نے یہ سر آغا خان کی صدارت میں برکت علی محمڈن ہال میں منعقدہ جلسے میں پڑھی۔ ملاحظہ کیجیے مضمون مذکور مشمولہ اقبال شناسی اور نیرنگِ خیال (مرتبہ) طاہر تونسوی، لاہور: بزمِ اقبال ۱۹۹۳ء، ص ۷۸

۵۔ یہاں یہ شعر پارے ابتدائی کلام اقبال__ بہ ترتیب ماہ و سال سے نقل کیے گئے ہیں (ص: ۴۹، ۵۰)

۶۔ جیسا کہ باقیات اقبال (طبع دوم، ص: ۳۲، ۳۳) میں ان اشعار کو 'رباعیات' کے زیرِ عنوان پیش کیا گیا ہے اور ڈاکٹر صدیق جاوید نے بھی بال جبریل کا تنقیدی مطالعہ (مطبوعہ یونیورسل بکس ۱۹۸۷ء، ص: ۲۲۱ تا ۲۲۴) میں انھیں 'رباعیات' ہی کی ذیل میں رکھا ہے۔ جبکہ بعض محققین نے اس کی نفی کی، مثلاً ڈاکٹر محمد عبداللہ قریشی نے اپنی کتاب حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں (مطبوعہ بزمِ اقبال ۱۹۸۲ء، ص: ۱۳۹ تا ۱۴۱) میں اور ڈاکٹر گیان چند جین نے ابتدائی کلام اقبال__ بہ ترتیب ماہ و سال (محولہ بالا، ص: ۴۹، ۵۰) میں انھیں رباعی کے وزن میں نہ ہونے کے باعث 'قطعات' قرار دیا ہے۔

۷۔ بانگِ درا مشمولہ کلیاتِ اقبال(اردو)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۷۲ء، ص ۲۸۳

۸۔ پیام مشرق مشمولہ کلیاتِ اقبال(فارسی)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ششم ۱۹۹۰ء، ص ۲۱۹

۹۔ عابد علی عابد، سید: 'اقبال کے کلام میں رباعی کی اہمیت' (مضمون) مشمولہ نقاشِ اقبال لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۹

۱۰۔ عابد علی عابد، سید: 'باباطاہر عریاں اور اقبال' (مضمون) مشمولہ نقاشِ اقبال، ص ۱۴۳

۱۱۔ عابد علی عابد، سید: اصولِ انتقاد ادبیات، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم ۱۹۶۶ء، ص ۴۵۳،۴۵۲

۱۲۔ محمد ریاض، ڈاکٹر: اقبال اور فارسی شعرا، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول ۱۹۷۷ء، ص ۴۲

۱۳۔ عبدالشکور احسن، ڈاکٹر: اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع دوم ۲۰۰۰ء، ص ۴۴۴

۱۴۔ مکتوب بہ نام مولانا گرامی (۱۹ جولائی ۱۹۲۰ء) مشمولہ کلیاتِ مکاتیب اقبال (مرتبہ) مظفر حسین برنی لاہور: ترتیب پبلشرز، س ن، ج ۲، ص ۱۳۵

۱۵۔ مکتوب بہ نام مولوی نورالاسلام (۲ ستمبر ۱۹۲۰ء) مشمولہ کلیات مکاتیب اقبال، ج ۲، ص ۱۳۸

۱۶۔ مکتوب بہ نام وحید احمد مسعود بدایونی (۷ ستمبر ۱۹۲۱ء) مشمولہ محولہ بالا، ص ۱۹۴

۱۷۔ مکتوب بہ نام مولانا گرامی (۲۸ نومبر ۱۹۲۲ء)، ایضاً، ص ۳۰۱

۱۸۔ مارچ ۱۹۲۴ء میں پیام مشرق کی دوسری اشاعت کے موقعے پر اقبال کا نوٹ، مشمولہ تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع دوم ۲۰۰۱ء، ص ۱۳۶

۱۹۔ مکتوب بہ نام ڈاکٹر ہادی حسن (۲ فروری ۱۹۲۴ء) مشمولہ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال ج ۲، ص ۴۷۸

۲۰۔ دوسری گول میز کانفرنس کے دوران انقلاب میں ۲۲ نومبر ۱۹۳۱ء کو چھپنے والی گفتگو سے اقتباس مشمولہ گفتارِ اقبال از محمد رفیق افضل، لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، طبع اول جنوری ۱۹۶۹ء، ص ۲۴۴

۲۱۔ مکتوب بہ نام صوفی غلام محی الدین (۲ مئی ۱۹۳۳ء) مشمولہ اقبال نامہ از شیخ عطاء اللہ، ج ۱، ص ۳۰۴

۲۲۔ مکتوب بہ نام صوفی غلام محی الدین (۲۴ مئی ۱۹۳۲ء) ایضاً

۲۳۔ مکتوب بہ نام صوفی غلام محی الدین (۵ جون ۱۹۳۲ء) ، ایضاً ص ۳۰۲

۲۴۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر: غیر مطبوعہ رقعات بنام پرویز رقم (مضمون) مشمولہ اقبالیات: تفہیم و تجزیہ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۲ء، ص ۲۲۲

۲۵۔ مکتوب بہ نام محمد رمضان (۱۹ فروری ۱۹۳۷ء) مشمولہ اقبالنامہ ج ۱، ص ۳۳۸۔ یاد رہے کہ یہ بحر ہزج کے بجائے بحر رمل مسدس مقصور/محذوف (فاعلاتن فاعلاتن فاعلات/فاعلن) میں ہے مگر اسے بھی علامہ نے رباعی قرار دیا ہے۔ رباعی یہ ہے:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے من پذیر
ور اگر بینی حسابم ناگزیر
از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

۲۶۔ مکتوب بہ نام ممنون حسن خان (۱۷ اگست ۱۹۳۷ء) ، ایضاً ص ۳۲۹

۲۷۔ عندلیب شادانی: تحقیقات، بریلی: جلیل اکیڈمی، طبع اول ۱۳۵۰ھ، ص ۳۲۲، ۳۲۳

۲۸۔ شیرانی، حافظ محمود: 'رباعی کے اوزان یاد رکھنے کا ایک آسان طریقہ' (مضمون) مشمولہ اورینٹل کالج میگزین (حصہ اول) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، فروری ۱۹۳۰ء، ج ۱۶، ص ۱۱۶

۲۹۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: 'کچھ تحقیقات کے بارے میں' (مضمون) مشمولہ تحقیق و تنقید، کراچی: ماڈرن پبلشرز، طبع اول ۱۹۶۳ء، ص ۱۹۹

۳۰۔ مثلاً سید عابد علی عابد 'بابا طاہر عریاں اور اقبال' (مشمولہ نفائس اقبال، ص ۱۳۳) میں ان اشعار کو ایک دوسرے وزن کی رباعیاں کہتے ہیں۔

۳۱۔ یہ موقف ڈاکٹر تاراچرن رستوگی کا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"...... فارسی اور سنسکرت کیونکہ لسانی اعتبار سے ایک خاندان سے متعلق ہیں لہٰذا میں نے ژند اوستا کے عروض کا مطالعہ کیا۔ ژند اوستا کے بے شمار بستے (سکرت) 'روپا چند' میں ملے۔ قیاس یہ ہے کہ غلبہ اسلام کے بعد روپا چند میں لکھے جانے والا شلوک روپائی تھا۔ پ ب ہم مخرج ہیں۔ روپائی سے روبائی ہوگیا، جس کی شکل معرب ہو کر عربی املا میں رباعی ہوگئی یعنی 'ی' مل کر 'ع' ہوگئی ...... میرا خیال ہے کہ بالِ جبریل کی رباعیاں اسی آگہی کے تحت کہی گئی ہوں گی......"

دیکھیے: 'اقبال کی اُردو نظم وغزل ورباعی' (مضمون) مشمولہ اقبال اور اردو نظم (مرتبہ) آل احمد سرور، سری نگر: اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی، طبع اول ۱۹۸۶ء، ص ۱۱۸، ۱۱۹

۳۲۔ گیان چند، ڈاکٹر: 'اقبال کی رباعیاں' (مضمون) مشمولہ اقبال شناسی اور نیرنگِ خیال، (مرتبہ) طاہر تونسوی، ص ۷۵

۳۳۔ فرمان فتح پوری: اُردو رباعی، کراچی: مکتبہ سنگِ میل، ۱۹۶۲ء، ص ۵۱، ۵۲

۳۴۔ عبدالسلام ندوی، مولانا: اقبالِ کامل، لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، طبع اول ۱۹۸۸ء، ص ۱۵۲

۳۵۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر: اقبالیات چند نئی جہات، لاہور: خزینہ علم وادب، ۲۰۰۱ء، ص ۱۰۰

۳۶۔ عندلیب شادانی: تحقیقات، ص ۳۲۷، ۳۲۸

۳۷۔ دیکھیے تحقیق و تنقید از فرمان فتح پوری میں مضمون: 'کیا کیا خضر نے سکندر سے' (ص ۲۲۳ تا ۲۳۳) اور تحقیق کی روشنی میں از عندلیب شادانی میں شامل مضمون: 'خضر کیونکر بتائے کیا بتائے' (ص ۳۶۵ تا ۳۹۲)، کراچی: شیخ غلام علی اینڈ سنز طبع اول ۱۹۶۳ء

۳۸۔ تحقیق و تنقید (از فرمان فتح پوری)، ص ۱۹۳ تا ۱۹۹

۳۹۔ جابر علی سید: اقبال ــ ایک مطالعہ، لاہور: بزمِ اقبال، طبع اول ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۸، ۱۱۹

۴۰۔ مکتوب بہ نام ڈاکٹر محمد عباس علی خاں لمعہ، (بہ تاریخ ۱۰ اپریل ۱۹۳۴) مشمولہ اقبال نامہ (مرتبہ) شیخ عطاءاللہ، حصہ دوم، لاہور: شیخ محمد اشرف پرنٹرز، س ن، ص ۲۸۰

۴۱۔ جیسا کہ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی نے اپنی کتاب میں اقبال کی بحور و اوزان پر مہارتِ فن کا مفصل جائزہ پیش کیا ہے، ملاحظہ کیجیے، اوزانِ اقبال، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۲ء

۴۲۔ 'بحروں میں تجربات اور اقبال' (مضمون) مشمولہ اقبال شناسی اور افشاں (مرتبہ) بیدار ملک، لاہور: بزمِ اقبال، طبع اول ۱۹۸۸ء، ص ۱۵۷

۴۳۔ بحوالہ اطراف (از ڈاکٹر خورشید رضوی)، لاہور: اُردو اکیڈمی پاکستان ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۱

۴۴۔ مکتوب بہ نام اکبر الہ آبادی مشمولہ کلیات مکاتیبِ اقبال (مرتبہ) سید مظفر حسین برنی، لاہور: ترتیب پبلشرز ۱۹۸۹ء، ج ۱، ص ۳۶۲

۴۵۔ اقبال نے اوزان و بحور کے ذریعے جس طرح دلکش اور مترنم آہنگ تشکیل دیا ہے اس کی توضیح سید وقار عظیم [مضمون: 'اقبال کی پسندیدہ بحریں، مشمولہ اقبال، شاعر اور فلسفی، لاہور: ادارہ تصنیفات ۱۹۶۷ء]، گیان چند جین [مضامین: 'اقبال کی مہارتِ عروض مشمولہ چشمۂ آفتاب

(مرتبہ) مصلح الدین سعدی، انڈیا: اقبال اکیڈمی حیدرآباد، طبع اول ۱۹۸۲ء اور 'اقبال کے اردو کلام کا عروضی مطالعہ' مشمولہ اقبال آئینہ خانے میں، (مرتبہ) آفاق احمد، بھوپال: مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی ۱۹۷۹ء اور شمس الرحمٰن فاروقی [مضمون: 'اقبال کا عروضی نظام' مشمولہ اقبال شناسی اور اوراق (مرتبہ) ڈاکٹر انور سدید، لاہور: بزم اقبال ۱۹۸۹ء] نے نہایت عمدگی سے کی ہے اور شعری مثالوں کے ساتھ یہ نقطۂ نظر پیش کیا ہے کہ اقبال وزن کو آہنگ و نغمگی کے لیے مستعار لیتے تھے اور بحروں کو برتنے کے طریقے ایسے اپناتے تھے کہ ان کا کلام خوش آہنگ معلوم ہوتا تھا۔

۴۶۔ مجنوں گورکھپوری: 'اقبال' (مضمون) مشمولہ اقبال بحیثیت شاعر، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول ۱۹۷۷ء، ص ۷۴

۴۷۔ عنوان چشتی، ڈاکٹر: معنویت کی تلاش، مظفر نگر (یو پی): رنگ محل پبلی کیشنز ۱۹۸۳ء، ص ۸۱

۴۸۔ اقبال اور فارسی شعرا (از ڈاکٹر محمد ریاض) ص ۴۳،۴۲

۴۹۔ کلیاتِ اقبال (اردو)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۲ء

۵۰۔ کلیاتِ اقبال (فارسی)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ششم ۱۹۹۰ء

☆

۳۔ مقائسۂ ارمغانِ حجاز، فارسی
(بیاض اور مطبوعہ نسخوں کا تقابلی مطالعہ)

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کے ہاں فکرِ عمیق کی پیش کش اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں نہایت پُر تاثیر اسلوب میں ہوئی ہے۔ خاص طور پر فارسی زبان میں علامہ نے غیر معمولی ذہانت و فطانت کا اظہار کیا ہے اور اسے اسرارِ خودی (۱۹۱۵ء)، رموزِ بے خودی (۱۹۱۸ء)، پیامِ مشرق (۱۹۲۳ء)، زبورِ عجم (۱۹۲۷ء)، جاوید نامہ (۱۹۳۲ء)، پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مسافر (۱۹۳۶ء) اور ارمغانِ حجاز جیسی بے مثال شعری کتب سے نواز کر اعتبار اور وقار بخشا ہے۔ اقبال نے اس زبان شیریں کو اس قدر روانی و بے ساختگی سے وسیلۂ اظہار بنایا کہ ان کے اس گراں بہا شعری سرمائے کو بلا خوفِ تردید گزشتہ صدی کا وہ اعجاز قرار دیا جا سکتا ہے جس کی نظیر ملنا محال ہے۔ اقبال کے تمام فارسی مجموعے اس شاعرِ یگانہ کی عظمتِ فکر و نظر کے عکاس ہیں۔ ارمغانِ حجاز آخری مجموعۂ کلام ہے جس کی علتِ تخلیق علامہ کی سفرِ حجاز کی آرزو ہے، جو آخری عمر میں شدت پکڑ چکی تھی اور وہ ہر لحظہ زیارتِ مقاماتِ مقدسہ سے مشرف ہونے کی تمنا کا اظہار کرتے۔ روایت ہے کہ اقبال کی آنکھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے اکثر بھیگ جاتیں۔ علالت کے سبب اگرچہ ان کی سفرِ حجاز کی آرزو تشنہ رہی تاہم عالمِ تخیل میں یہ خواہش ضرور پوری ہوئی اور انھوں نے سفرِ حجاز کے تاثرات بزبانِ شعر رقم کیے جو اُن کے قلبی واردات کی بھرپور آئینہ داری کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے اپنے اس مجموعۂ کلام کو ارمغانِ حجاز کا نام دیا۔

ارمغان حجاز (فارسی) بنیادی طور پر لُری زبان کے معروف شاعر بابا طاہر عریاں ہمدانی کے تتبع میں لکھی گئی دوبیتیوں پر مشتمل ہے جنھیں اقبال نے اس درویش صفت شاعر ہی کی تقلید میں 'رباعیات' قرار دیا۔ جیسا کہ اس سے قبل کے مضامین میں تفصیلی ذکر ہوا کہ یہ رباعی کے وزن میں

نہیں اور اصطلاحاً انھیں دوبیتیاں یا ترانے یا قدیم معنوں میں فہلویات' کہا جا سکتا ہے جب کہ شعروادب میں رباعی قدرے دقیق صنفِ سخن ہے جس کے لیے بحر ہزج مثمن سالم اخرب واخرم مخصوص ہے۔ البتہ اس کا معروف وزن 'لاحول ولاقوۃ الاباللہ' (مفعول مفاعیل مفاعیلن فاع/فع) بتایا جاتا ہے۔ کلاسیکی شعری سرمائے پر نظر دوڑائیں تو عام طور پر تصوف، فلسفہ، عشق اور اخلاق اس صنف کے بنیادی موضوعات قرار پاتے ہیں۔ نیز صوری اعتبار سے داخلی ہیئت کی رو سے رباعی قافیہ وردیف کا ایک خاص نظام بھی رکھتی ہے۔ اقبال کے ہاں اس کے برعکس بابا طاہر کی تقلید میں بحر ہزج مسدس محذوف یا مقصور (مفاعیلن مفاعیلن فعولن/ مفاعیل) کی طرف توجہ دکھائی دیتی ہے اور رباعی کے وزن اور موضوعاتی دائرے کا التزام نہیں ملتا لہٰذا انھیں رباعیات کے بجائے دوبیتیاں کہنا زیادہ بہتر ہے۔ البتہ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اقبال کو اس صنف کے تقاضوں کا خیال نہ تھا یا یہ کہ وہ رباعی کا وزن نہ جانتے تھے، اصل بات یہ ہے کہ انھوں نے ارادتاً بابا طاہر کے رنگ میں دوبیتیاں کہیں، جنھیں مروج نام اور روایت کے تتبع میں 'رباعیاں' ہی کہہ دیا۔ پھر یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ بڑا شاعر قوانین وقواعد کا اسیر بھی نہیں ہوتا بلکہ شعری اصول وضوابط اس کے پابند ہوتے ہیں۔ اقبال ایسے ہی شاعر تھے اور اپنے اسی منفرد انداز واسلوب کے باعث 'سبکِ اقبال' کے خالق کہلائے۔

ارمغانِ حجاز ـــــ اقبال کی وفات کے بعد چودھری محمد حسین کی کاوشوں سے ۱۸ نومبر ۱۹۳۸ء کو شیخ محمد اشرف پرنٹرز، لاہور سے شائع ہوئی۔ یہ مجموعہ اردو اور فارسی دو زبانوں پر مشتمل ہے تاہم فارسی کلام زیادہ ہے۔ ارمغانِ حجاز کا فارسی حصہ دوبیتیوں پر مبنی ہے اور 'حضورِ حق'، 'حضورِ رسالت'، 'حضورِ ملت'، 'حضورِ عالمِ انسانی' اور 'بہ یارانِ طریق' کے زیرِ عنوان پانچ اجزا کی صورت میں مرقوم ہے۔ 'حضورِ حق' ۱۱ حصوں پر مشتمل ہے اور اس حصے میں شاعر خدا کے حضور اُمتِ مسلمہ کی حالتِ زار بیان کرتا ہے۔ 'حضورِ رسالت' ۱۳ اجزا پر مبنی ہے اور یہاں شاعر جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہے اور عالمِ تخیل میں اُن کے سامنے اپنی اور اپنی ملت کا حال پیش کرتا ہے۔ 'حضورِ ملت' کے ۱۸ حصے ہیں اور ہر ایک پر اقبال نے ذیلی عنوان کا اہتمام کیا ہے، جو کچھ یوں ہیں: 'بگیر دل بند و راہِ مصطفےٰ رو'، 'خودی'، 'اناالحق'، 'صوفی و مُلّا'، 'رومی'، 'پیامِ فاروق'، 'شعرائے عرب'، 'اے فرزندِ صحرا'، 'تو چہ دانی کہ دریں گردسوارے باشد'، 'خلافت وملوکیت'، 'ترکِ عثمانی'، 'دخترانِ ملت'، 'عصرِ حاضر'، 'برہمن'، 'تعلیم'، 'تلاشِ رزق'، 'نہنگ باجۂ خویش' اور

'خاتمہ'۔۔۔۔اور ان تمام اجزا میں اقبال نے بڑی مہارت سے ملت کو خود شناسی و خودنگری کا پیغام دیا ہے۔ ارمغانِ حجاز کے چوتھے حصے 'حضورِ عالمِ انسانی' میں ۱۱۳ اجزا ہیں جنھیں سات عناوین 'تمہید'، 'دل'، 'خودی'، 'جبر و اختیار'، 'موت'، 'بگو ابلیس را' اور 'ابلیسِ خاکی و ابلیسِ ناری' کے تحت لکھا گیا ہے۔ ان حصوں میں علامہ ملت کے اندر ایقان و ہیجان برپا کر دینے کے عزم کا اظہار کرتے ہیں۔ آخری حصہ 'بہ یارانِ طریق' کے عنوان سے چھے حصوں میں مرقوم ہے اور یہاں شاعر یارانِ طریق سے شکوہ سنج ہے اور اس خلش کا اظہار کرتا ہے کہ اس کی شاعری کو کوئی نہ سمجھ سکا۔ یوں یہ پانچوں حصے اقبال کے داخلی واردات کے بیان پر نقطۂ انجام کو پہنچتے ہیں۔

ارمغانِ حجاز کی اشاعت چونکہ اقبال کی وفات کے بعد عمل میں آئی لہٰذا یہ مجموعہ توجہ کا متقاضی ہے۔ اقبال کے مکاتیب اور دیگر سوانحی اشارات سے واضح ہے کہ وہ اپنے ہر مجموعے کو نہایت اہتمام سے شائع کرایا کرتے تھے۔ یوں تو علامہ اقبال کے تخلیقی سفر کو سمجھنے کے لیے ان کے تمام مجموعوں کی بیاضوں کا مطالعہ ضروری ہے لیکن ارمغان حجاز کی بیاض تحقیقی و تدوینی حوالے سے بھی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ ۲۸۰ صفحات پر مبنی اس مجموعے کی ترتیب و تدوین پہلی بار اقبال کی وفات کے بعد چودھری محمد حسین کے زیر اہتمام عمل میں آئی۔ اقبال علالت کے باعث اس کتاب کو وقتِ نظر سے نہ دیکھ سکے، لہٰذا یہ شعری مجموعہ اس انداز سے نہ چھپ سکا جس طرح ان کے اس سے پیشتر کے مجموعے شائع ہوئے تھے۔ پھر عمر کے آخری حصے میں وہ کچھ کلام زبانی بھی تحریر کراتے رہے اور بعض مصرعوں میں اصلاح و ترمیم بھی کروائی۔ ایسے میں ارمغان حجاز کی پہلی اشاعت میں اسقام کا پیدا ہو جانا فطری تھا۔ ۱۹۳۸ء کے بعد بھی یہ مجموعہ مختلف اشاعتی اداروں سے چھپتا رہا لیکن ابتدائی سطح پر پیدا ہو جانے والی اغلاط بدستور موجود ہیں۔ چنانچہ ارمغان حجاز کے متن کی نئی ترتیب و تدوین کے لیے اس کے اہم مطبوعہ نسخوں کا از سرِ نو بیاض سے موازنہ و مقابلہ کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اس کی اولین طباعت اور بعد بعض کی اہم اشاعتوں کے مابین بھی تقابلی مطالعہ ضروری ہے تا کہ اس موازنے کے نتیجے میں ان استفسارات کا جواب تلاش کیا جا سکے جو اس مجموعے کے حوالے سے ذہن میں ابھرتے ہیں، مثلاً یہ سوال کہ اقبال چونکہ بعض اوقات ایک ہی مصرعے میں تین تین یا چار چار بار ترمیم کرتے تھے، ایسی صورت میں کیا یہ اطمینان کرنا ضروری نہیں ہے کہ مطبوعہ صورت میں حتمی یا ترمیمی اشکال ہی چھپی ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ سہواً ابتدائی یا اولین متن ہی چھپ گیا جس کے نتیجے میں بعض نہایت اہم مصرعے اصلی و

حقیقی صورت میں شائع ہونے سے رہ گئے ہیں؟ یا پھر یہ کہ کیا اقبال کی تمام منتخب کردہ دوبیتیاں ہی چھپیں، یہ تو نہیں ہوا کہ بعض دوبیتیاں متروک ہونے کے باوجود شاملِ اشاعت ہوئیں اور بعض مستر د نہ ہونے کے باوجود ارمغانِ حجاز کا حصہ نہ بنیں؟ ـــــ یہ سراغ لگانا بھی ضروری ہے کہ کیا تمام مطبوعہ شعری مواد بیاض میں موجود ہے یا مسودے کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا؟ (یا وہ زبانی تحریر کرایا گیا یا پھر یہ کہ وہ بیاض کے بجائے منتشر اوراق پر رقم ہوا تھا؟) کیا ارمغانِ حجاز کے مرتب و مدون نے علامہ کی بہم پہنچائی گئی تمام اصلاحات اور حواشی کو مقدم رکھا یا پھر کچھ کلام اور حاشیے اصلی تصحیح شدہ صورت میں طبع ہونے سے رہ گئے؟ ـــــ یہ اور اس طرح کے سوالات کو پیشِ نظر رکھ کر زیرِ تحریر حصے میں اقبال کے صرف فارسی کلام کے حوالے سے (جو علامہ کی بے مثل دوبیتیوں پر مشتمل ہے) ارمغانِ حجاز کے مستند متن کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس مجموعے کی تین اہم اشاعتوں یعنی ارمغانِ حجاز طبع اول (مطبوعہ شیخ اشرف پرنٹرز نومبر ۱۹۳۸ء)، ارمغانِ حجاز (مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز طبع ششم ۱۹۹۰ء) اور ارمغانِ حجاز (مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۹۰ء) کا نہ صرف بیاض سے موازنہ کیا گیا ہے بلکہ تینوں منتخب مطبوعہ نسخوں کا باہمی تقابلی مطالعہ بھی پیش ہوا ہے۔ یاد رہے کہ اس مقابلے میں ایسی دوبیتیوں کی خصوصی طور پر نشاندہی کی گئی ہے جن میں یا تو بیاض سے واضح طور پر فرق دکھائی دیتا ہے یا پھر وہ اس میں موجود ہی نہیں ہیں اور جن کے بارے میں قیاس کہتا ہے کہ علامہ نے انھیں زبانی تحریر کروا دیا ہوگا یا یہ کہ وہ اس بیاض سے ہٹ کر منتشر اوراق کی صورت میں مرتب کو دی گئی ہوں گی اور یوں بیاض میں شامل نہیں ہو سکیں۔

ارمغانِ حجاز کی دوبیتیوں کے بیاض اور معروف مطبوعہ نسخوں سے تقابلی مطالعے کو پیش کرتے ہوئے اولین طبع شدہ کلام (نومبر ۱۹۳۸ء) کو بطور بنیادی متن کے اختیار کیا گیا ہے لہٰذا پیش کردہ دوبیتیوں کے ساتھ اس کے صفحات نمبر درج ہیں جبکہ بیاض اور متذکرہ تینوں چھاپی نسخوں کے موازنے کے نتیجے میں اختلافِ متن پر مبنی جو اشارات و نکات سامنے آئے ہیں، انھیں ارمغانِ حجاز کے ہر حصے کی دوبیتیوں کے آخر میں حواشی کی صورت میں درج کیا گیا ہے۔ حواشی لکھتے ہوئے بعض مختصرات بھی اپنائے گئے ہیں جن میں (الف): اقبال کے لیے (خاص طور پر ارمغانِ حجاز، طبع اول میں اقبال کے مرقوم حاشیوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے) استعمال ہوا ہے، بیاض: ارمغانِ حجاز کے مسودے کے لیے، طبع اول: ارمغانِ حجاز شیخ اشرف پرنٹرز کے

لیے نسخۂ غلام علی، شیخ غلام علی اینڈ سنز سے شائع شدہ کلام کے لیے اور اقبال اکادمی کی اشاعت کے لیے نسخۂ اکادمی کا مختصر اشارہ اختیار کیا گیا ہے۔ یہ تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہوئے بیاض میں مندرج دوبیتیوں کے سارے صفحات نمبر حواشی میں دیے گئے ہیں تاکہ وہاں ان کی موجودگی ظاہر ہو سکے۔ مطبوعہ نسخوں میں سے صرف طبع اول کے صفحات نمبر متن کے ساتھ نقل ہیں کہ یہاں یہ بنیادی نسخے کے طور پر برتا گیا ہے جبکہ دوسرے دو نسخوں کی صرف ان دوبیتیوں کے صفحہ نمبر دیے گئے ہیں جو بیاض اور طبع اول سے مختلف ہیں۔ اس طریق کار کو برتتے ہوئے ذیل میں بیاض اور متذکرہ تین اہم نسخوں کا موازنہ ومقائسہ توضیحی حواشی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:۔

حضورِ حق

خوش آں راہی کہ سامانے نگیرد دلِ او پند یاراں کم پذیرد

بہ آہے سوز ناکش سینہ بکشاے ز یک آہش غمِ صد سالہ میرد

(ص ۱)

حضورِ حق

۱

دلِ ما بیدلاں بردند و رفتند
مثالِ شعلہ افسردند و رفتند
بیا یک لحظہ با عاماں در آمیز
کہ خاصاں بادہ ہا خوردند و رفتند!۲

(ص ۳)
○

سخن ہا رفت از بود و نبودم
من از خجلت لبِ خود کم کشودم
سجودِ زندہ مرداں می شناسی
عیارِ کارِ من گیر از سجودم!۳

(ص ۴)
○

دلِ من در کشادِ چون و چند است
نگاہش از مہ و پرویں بلند است
بدہ ویرانۂ در دوزخ او را
کہ ایں کافر بے خلوت پسند است!۴

(ص ۔ر)
○

چہ شور است ایں کہ در آب و گلِ افتاد
ز یک دل عشق را صد مشکل افتاد
قرارِ یک نفس بر من حرام است
بمن رحمے کہ کارم با دل افتاد!۵

(ص ۵)
○

جہاں از خود بروں آوردۂ کیست؟
جمالش جلوۂ بے پردۂ کیست؟
مرا گوئی کہ از شیطاں حذر کن
بگو با من کہ او پروردۂ کیست؟۶

(ص ۔ر)

۲

دلِ بے قیدِ من در پیچ و تابیست
نصیبِ من عتابے یا خطابیست
دلِ ابلیس ہم نتوانم آزرد
گناہِ گاہ گاہِ من صوابیست ے

(ص ۶)
○

صَبَنْتِ الکاسَ عنّا امَّ عَمْرٍو — وکانَ الکاسُ مَجراها الیمینا
اگر این است رسمِ دوستداری — بدیوارِ حرم زن جام و مینا[8]
(ص۶)

○

بخود پیچیدگاں در دل اسیرند — ہمہ درد اند و درماں نا پذیرند
بجو از ما چہ میخواہی کہ شاہاں — خراجے از دہ ویراں نہ گیرند[9]
(ص۷)

○

روم راہے کہ او را منزلے نیست — ازاں تخمے کہ ریزم حاصلے نیست
من از غم ہا نمی ترسم و لیکن — مدہ آں غم کہ شایانِ دلے نیست[10]
(ص۷)

○

مے من از تنک جاماں نگہ دار — شرابِ پختہ از خاماں نگہ دار
شرر از نیستانے دور تر بہ — بخاصاں بخش و از عاماں نگہ دار[11]
(ص۸)

○

ترا ایں کشمکش اندر طلب نیست — ترا ایں درد و داغ و تاب و تب نیست
ازاں از لامکاں بگریختم من — کہ آں جا نالہ ہائے نیم شب نیست[12]
(ص۸)

○

ز من ہنگامۂ دہ ایں جہاں را — دگرگوں کن زمین و آسماں را
ز خاکِ ما دگر آدم بر انگیز — بکُش ایں بندۂ سود و زیاں را[13]
(ص۹)

○

جہانے تیرہ تر با آفتابے — صوابِ او سراپا ناصوابے
ندانم تا کجا ویرانہ را — دہی از خونِ آدم رنگ و آبے[14]
(ص۹)

○

غلامم جز رضائے تو نجویم — جز آں راہے کہ فرمودی نہ پویم
ولیکن گر بہ ایں ناداں بگوئی — خرے را اسپِ تازی گو، نہ گویم[15]
(ص۱۰)

۳

دلے در سینہ دارم بے سرورے
نہ سوزے در کفِ خاکم نہ نورے
بگیر از من کہ بر من بار دوش است
ثوابِ ایں نمازِ بے حضورے! ۱۶
(ص۱۰)

○

چہ گویم قصۂ دین و وطن را
کہ نتواں فاش گفتن ایں سخن را
مرنج از من کہ از بے مہریٔ تو
بنا کردم ہماں دیرِ کہن را ۱۷
(ص۱۱)

○

مسلمانے کہ در بندِ فرنگ است
دلش در دستِ او آساں نیاید
ز سیمائے کہ سودم بر درِ غیر
سجودے بوذرؓ و سلماںؓ نیاید ۱۸
(ص۱۱)

○

نخواہم ایں جہان و آں جہاں را
مرا ایں بس کہ دانم رمزِ جاں را
سجودے دہ کہ از سوز و سرورش
بوجد آرم زمین و آسماں را ۱۹
(ص۱۲)

○

چہ میخواہی ازیں مردِ تن آسانے
بہر بادے کہ آمد رفتم از جائے
سحر جاوید را در سجدہ دیدم
بہ صبحش چہرۂ شامم بیارائے ۲۰
(ص۱۲)

۴

بہ آں قوم از تو می خواہم کشادے
فقیہش بے یقینے، کم سوادے
بسے نادیدنی را دیدہ ام من
مرا اے کاشکے مادر نہ زادے ۲۱
(ص۱۳)

○

نگاہِ تو عتاب آلود تا چند
بتانِ حاضر و موجود تا چند
دریں بتخانہ اولادِ براہیم
نمک پروردۂ نمرود تا چند ۲۲
(ص۱۳)

○

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید؟
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید؟ ۲۳
(ص۱۴)

○

اگر می آید آں دانائے رازے — بدہ او را نوائے دل گدازے
ضمیرِ امتاں را می کند پاک — کلیمے یا حکیمے نے نوازے ۲۴
(ص ۱۴)

○

متاعِ من دلِ درد آشنائے است — نصیبِ من فغانِ نارسائے است
بخاکِ مرقدِ من لالہ خوشتر — کہ ہم خاموش و ہم خونیں نوائے است ۲۵
(ص ۱۵)

۵

دل از دستِ کسے بردن نداند — غم اندر سینہ پروردن نداند
دمِ خود را دمیدی اندراں خاک — کہ غیر از خوردن و مُردن نداند! ۲۶
(ص ۱۵)

○

دلِ ما از کنارِ ما رمیدہ — بصورت ماندہ و معنی ندیدہ
ز ما آں راندۂ درگاہ خوشتر — حق او را دیدہ و ما را شنیدہ ۲۷
(ص ۱۶)

○

نداند جبرئیل ایں ہاے و ہو را — کہ نشناسد مقامِ جستجو را!
بپرس از بندۂ بیچارۂ خویش — کہ داند نیش و نوشِ آرزو را! ۲۸
(ص ۱۶)

○

شبِ ایں انجمن آراستم من — چو مہ از گردشِ خود کاستم من
حکایت از تغافل ہاے تو رفت — ولیکن از میاں برخاستم من! ۲۹
(ص ۱۷)

○

چنیں دورِ آسماں کم دیدہ باشد — کہ جبریلِ امیں را دل خراشد
چہ خوش دیرے بنا کردند آنجا — پرستد مومن و کافر تراشد ۳۰
(ص ۱۷)

۶

عطا کن شورِ رومیؔ، سوزِ خسروؔ — عطا کن صدق و اخلاصِ سنائیؔ
چناں با بندگی درساختم من — نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی! ۳۱
(ص ۱۸)

٧

مسلماں فاقہ مست و ژندہ پوش است
ز کارش جبرئیل اندر خروش است
بیا نقشِ دگر ملّت بریزیم
کہ ایں ملّت جہاں را بارِ دوش است ۳۲؎
(ص ۱۸)

○

دگر ملّت کہ کارے پیش گیرد
دگر ملّت کہ نوش از نیش گیرد
نگردد با یکے عالم رضامند
دو عالم را بہ دوشِ خویش گیرد ۳۳؎
(ص ۱۹)

○

دگر قومے کہ ذکرِ لا الٰہش
بر آرد از دلِ شب صبح گاہش
شناسد منزلش را آفتابے
کہ ریگِ کہکشاں روبد ز راہش ۳۴؎
(ص ۱۹)

٨

جہانِ تست در دستِ خسے چند
کسانِ او بہ بندِ ناکسے چند
ہنرور در میانِ کارگاہاں
کشد خود را بہ عیشِ کرگسے چند ۳۵؎
(ص ۲۰)

○

مریدے فاقہ مستے گفت با شیخ
کہ یزداں را ز حالِ ما خبر نیست
بہ ما نزدیک تر از شہ رگِ ماست
ولیکن از شکم نزدیک تر نیست ۳۶؎
(ص ۲۰)

٩

دگرگوں کشورِ ہندوستان است
دگرگوں آں زمین و آسمان است
مجو از ما نمازِ پنجگانہ
غلاماں را صف آرائی گران است ۳۷؎
(ص ۲۱)

○

ز محکومی مسلماں خود فروش است
گرفتارِ طلسمِ چشم و گوش است
ز محکومی رگاں در تن چناں سست
کہ ما را شرع و آئیں بارِ دوش است ۳۸؎
(ص ۲۱)

۱۰

یکے اندازہ کن سود و زیاں را — چو جنت جاودانی کن جہاں را!
نمی بینی کہ ما خاکی نہاداں — چہ خوش آراستیم ایں خاکداں را![۳]
(ص۴۲)

○

تو می دانی حیاتِ جاوداں چیست — نمی دانی کہ مرگِ ناگہاں چیست!
ز اوقاتِ تو یک دم کم نہ گردد — اگر من جاوداں باشم زیاں چیست؟[۴]
(ص۴۲)

۱۱

بہ پایاں چوں رسد ایں عالمِ پیر — شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہؐ ما را — حسابِ من ز چشمِ او نہاں گیر![۵]
(ص۴۳)

○

بدن وا ماند و جانم در تگ و پوست — سوئے شہرے کہ بطحا در رہِ اوست
تو باش ایں جا و با خاصاں بیامیز — کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست[۶]
(ص۴۳)

حواشی:

۱ نسخۂ اکادمی میں تیسرے مصرعے میں ''آمے'' کے بجائے ''آہ'' درج ہے (ر۔ک) نسخۂ اکادمی، ص: ۷ لیکن بیاض میں یہ فرق دکھائی نہیں دیتا۔ دیکھیے، بیاض، ص: ۳۱

۲ بیاض، ص: ۳۰

۳ یہ دوبیتی بیاض میں مختلف ہے اور صورت کچھ یوں ہے:

کفِ خاکم نگاہِ من بلند است — خیالم در کشادِ چون و چند است
مرا ویرانۂ در دوزخے کش — کہ ایں کافر بے خلوت پسند است

(ر۔ک) بیاض، ص: ۳۶

۴ یہ دوبیتی اقبال اکادمی میں موجود ارمغانِ حجاز کی بیاض میں شامل نہیں ہے۔

۵ ایضاً۔

۶ بیاض، ص: ۲۹

۷ یہ دوبیتی بیاض میں موجود نہیں۔

۸ صبت الکاس......الخ۔ یہ شعر عمرو ابن کلثوم کا ہے جو زمانہ جاہلیت کے شعرا میں سے تھا۔ شاعر اپنی معشوقہ ام عمرو کی ناانصافی کی شکایت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تو نے ہمیں پیالہ شراب سے محروم کر دیا حالانکہ باری دائیں طرف بیٹھنے والوں کی تھی۔ (الف)۔ (ر۔ک) طبع اول، ص:۲۰۔ نسخۂ اکادمی میں اس دوبیتی پر حاشیہ موجود نہیں۔ (ر۔ک)، ص:۲۰۔ لیکن بیاض میں اس پر نہایت مختصر حاشیہ درج ہے، جو یہ ہے: ''شعر عمرا ابن کلثوم'' (سبعہ معلقات) (ر۔ک) بیاض، ص:۳۰

۹ بیاض، ص:۳۲

۱۰ بیاض، ص:۳۳

۱۱ یہ دوبیتی بیاض میں اسی صورت میں موجود ہے تاہم اس کی قلمزد اولین صورت بھی یہاں اسی صفحے پر نظر آتی ہے، جو یہ ہے:

شراب پختہ از خاماں نگہدار بخاصاں بخش و از عاماں نگہدار
مرا اندر جہانِ کور ذوقے ز دستِ ایں تنک جاماں نگہدار!

(ر۔ک) بیاض، ص:۳۴

۱۲ بیاض، ص:۳۴

۱۳ بیاض، ص:۳۸

۱۴ بیاض: جای ندارد

۱۵ بیاض، ص:۴۰

۱۶ بیاض: ندارد

۱۷ بیاض: ندارد

۱۸ یہ دوبیتی بیاض میں موجود نہیں جبکہ نسخۂ اکادمی میں اس دوبیتی کے مصرع چہارم میں ''بجوے'' کے بجائے ''بجوۓ'' مرقوم ہے۔ (ر۔ک) اکادمی، ص۳۲

۱۹ بیاض: ندارد

۲۰ بیاض میں اس دوبیتی کے دوسرے، تیسرے اور چوتھے مصرعوں کی یہ صورت نہیں۔ ممکن ہے کہ علامہ نے زبانی تبدیلی کروا دیے ہوں۔ یہاں منقول مصرعے یوں ہیں:

مع ز ہر بادے چو کاہے رفتم
مع گناہ من کہ بیرون از شمار است
مع بسوز سینۂ رومی بخشائے

(ر۔ک) بیاض، ص:۲۹

۲۱؎ مرا اے کاشکے.....الخ، یہ مصرع سعدی کا ہے (الف)۔(ر۔ک) طبع اول، ص:۱۳، نسخۂ اکادمی میں حاشیہ نہیں دیا گیا۔(ر۔ک) اکادمی، ص:۲۳۔ جبکہ بیاض میں یہ دو بیتی ہی نہیں۔

۲۲؎ بیاض، ص:۴۴

۲۳؎ بیاض: ندارد۔ نسخۂ غلام علی اور نسخۂ اکادمی دونوں میں مصرع اول کے آغاز میں "سرور" کے بجائے "سرود" کے درج ہے۔(ر۔ک) غلام علی، ص:۱۴ و (ر۔ک) اکادمی، ص:۲۳

۲۴؎ بیاض: ندارد

۲۵؎ بیاض: ندارد

۲۶؎ بیاض، ص:۴۰

۲۷؎ بیاض، ص:۴۰

۲۸؎ بیاض، ص:۳۹

۲۹؎ بیاض، ص:۳۹

۳۰؎ بیاض میں مصرع سوم یوں ہے: چہ خوش دیرے بنا کردید آنجا (ر۔ک) بیاض، ص:۴۱

۳۱؎ بیاض، ص:۳۳

۳۲؎ بیاض، ص:۴۳، نسخۂ غلام علی میں تیسرے مصرعے کے آخر میں "بہ ریزیم" کے بجائے "بہ ریزم" مرقوم ہے۔(ر۔ک) غلام علی، ص:۱۵

۳۳؎ بیاض، ص:۴۴

۳۴؎ ایضاً

۳۵؎ بیاض، ص:۴۰

۳۶؎ بیاض، ص:۵۰

۳۷؎ بیاض، ص:۵۱

۳۸؎ ایضاً

۳۹؎ بیاض، ص:۵۶

۴۰؎ ایضاً

۴۱؎ بیاض، ص:۳۸

۴۲؎ بیاض، ص:۲۹

حضورِ رسالتؐ

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ اینجا!

عزت بخاری
(ص ۴۵)

حضورِ رسالتؐ

۱

"الا یا خیمگی خیمہ فروہل | کہ پیش آہنگ بیروں شد ز منزل"
خرد از راندنِ محمل فروماند | زمامِ خویش دادم در کفِ دل![۲]
(ص ۲۷)

○

نگاہے داشتم بر جوہرِ دل | تپیدم آرمیدم در برِ دل
رمیدم از ہوائے قریہ و شہر | بیادِ دشت وا کردم درِ دل![۳]
(ص ۲۸)

○

نوائم دل شہیدِ جلوۂ کیست | نصیبِ او قرارِ یک نفس نیست
بصحرا بُردمش افسردہ تر گشت | کنارِ آبجوئے زار بگریست[۴]
(ص ۲۸)

○

مپرس از کاروانِ جلوہ مستاں | ز اسبابِ جہاں برکندہ دستاں
بجانِ شاں ز آوازِ جرس شور | چو از موجِ نسیمے در نیستاں![۵]
(ص ۲۹)

○

بایں پیری رہِ یثرب گرفتم | نوا خواں از سرورِ عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سرِ شام | کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ[۶]
(ص ۲۹)

۲

گناہِ عشق و مستی عام کردند | دلیلِ پختگاں را خام کردند
بآہنگِ حجازی می سرایم | نخستیں بادہ کاندر جام کردند[۷]
(ص ۳۰)

○

چه پرسی از مقاماتِ نوایم — ندیماں کم شناسند از کجایم
کشادم رختِ خود را اندریں دشت — که اندر خلوتش تنها سرایم۸
(ص۳۰)

۳

سحر با ناقه گفتم نرم تر رو — که راکب خسته و بیمار و پیر است
قدم مستانه زد چنداں که گوئی — بپایش ریگِ ایں صحرا حریر است!۹
(ص۳۱)

○

مهار اے سارباں او را نشاید — که جانِ او چو جانِ ما بصیر است
من از موجِ خرامش می شناسم — چو من اندر طلسمِ دل اسیر است!۱۰
(ص۳۱)

○

نمِ اشک است در چشمِ سیاهش — دلم سوزد ز آهِ صبحگاهش
هماں مے کو ضمیرم را برافروخت — بپیاپے ریزد از موجِ نگاهش!۱۱
(ص۳۲)

۴

چه خوش صحرا که در وے کارواں ها — درودے خواند و محمل براند
به ریگِ گرمِ او آور سجودے — جبیں را سوز تا داغے بماند!۱۲
(ص۳۲)

○

چه خوش صحرا که شامش صبح خند است — شبش کوتاه و روزِ او بلند است
قدم اے راهرو آهسته تر نه — چو ما هر ذرهٔ او درد مند است!۱۳
(ص۳۳)

۵

امیرِ کارواں! آں اعجمی کیست؟ — سرودِ او بآهنگِ عرب نیست
زند آں نغمه کز سیرابیِ او — خنک دل در بیابانے تواں زیست!۱۴
(ص۳۳)

○

مقامِ عشق و مستی منزلِ اوست　　چہ آتش ہا کہ در آب و گلِ اوست
نوائے او بہ ہر دل سازگار است　　کہ در ہر سینہ قاشے از دلِ اوست[۱۵]

(ص ۳۴)

۶

غمِ پنہاں کہ بے گفتن عیان است　　چو آید بر زباں یک داستان است
رہے پُر پیچ و راہی خستہ و زار　　چراغش مُردہ و شب درمیان است[۱۶]

(ص ۳۴)

○

بہ راغاں لالہ رُست از نو بہاراں　　بصحرا خیمہ گستردند یاراں
مرا تنہا نشستن خوشتر آید　　کنارِ آبجوئے کوہساراں[۱۷]

(ص ۳۵)

۷

گہے شعرِ عراقی را بخوانم　　گہے جامی زند آتش بجانم
ندانم گرچہ آہنگِ عرب را　　شریکِ نغمہ ہائے ساربانم[۱۸]

(ص ۳۵)

○

غمِ راہی نشاط آمیز تر کن　　فغانش را جنوں انگیز تر کن
بگیر اے ساربان راہِ درازے　　مرا سوزِ جدائی تیز تر کن[۱۹]

(ص ۳۶)

۸

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم　　من و تو کشتۂ شانِ جمالیم
دو حرفے بر مرادِ دل بگوئیم　　بپائے خواجہ چشماں را بمالیم[۲۰]

(ص ۳۶)

○

حکیماں را بہا کمتر نہادند　　بناداں جلوۂ مستانہ دادند
چہ خوش بختے، چہ خرم روزگارے　　درِ سلطاں بہ درویشے کشادند[۲۱]

(ص ۳۷)

○

جہانِ چار سُو اندر برِ من — ہوائے لامکاں اندر سرِ من
چو بگذشتم ازیں بامِ بلندے — چہ گرد افتاد پرواز از پرِ من ۴۲
(ص ۳۷)

○

دریں وادی زمانی جاودانی — ز خاکش بے صور روید معانی!
حکیماں با کلیماں دوش بر دوش — کہ ایں جا کس نگوید لن ترانی! ۴۳
(ص ۳۸)

۹

مسلماں آں فقیرِ کج کلاہے — رمید از سینۂ او سوزِ آہے
دلش نالد! چرا نالد؟ نداند — نگاہے یا رسولؐ اللہ نگاہے! ۴۴
(ص ۳۸)

○

تب و تابِ دل از سوزِ غمِ تست — نوائے من ز تاثیرِ دمِ تست
بنالم زانکہ اندر کشورِ ہند — ندیدم بندۂ کو محرمِ تست ۴۵
(ص ۳۹)

○

شبِ ہندی غلاماں را سحر نیست — بایں خاک آفتابے را گذر نیست!
بما کن گوشۂ چشمے کہ در شرق — مسلمانے ز ما بیچارہ تر نیست! ۴۶
(ص ۳۹)

○

چہ گویم زاں فقیرے دردمندے — مسلمانے بہ گوہر ارجمندے
خدا ایں سخت جاں را یار بادا — کہ افتاد است از بامِ بلندے! ۴۷
(ص ۴۰)

○

چساں احوالِ او را بر لب آرم — تو می بینی نہان و آشکارم
ز رُوداد دو صد سالش ہمیں بس — کہ دل چوں کندۂ قصاب دارم! ۴۸
(ص ۴۰)

○

ہنوز ایں چرخِ نیلی کج خرام است — ہنوز ایں کارواں دور از مقام است
ز کارِ بے نظامِ او چہ گویم — تو می دانی کہ ملت بے امام است ۴۹
(ص ۴۱)

○

نماند آں تاب و تب در خونِ نابش — نروید لالہ از کشتِ خرابش
نیامِ او تہی چوں کیسۂ او — بطاقِ خانۂ ویراں کتابش! ۳۰ع

(ص ۴۱)

○

دلِ خود را اسیرِ رنگ و بو کرد — تہی از ذوق و شوق و آرزو کرد
صفیرِ شاہبازاں کم شناسد — کہ گوشش با طنینِ پشہ خو کرد ۳۱ع

(ص ۴۲)

○

بروئے او درِ دل ناکشادہ — خودی اندر کفِ خاکش نزادہ
ضمیرِ او تہی از بانگِ تکبیر — حریمِ ذکرِ او از پا فتادہ ۳۲ع

(ص ۴۲)

○

گریباں چاک و بے فکرِ رفو زیست — نمیدانم چساں بے آرزو زیست
نصیبِ اوست مرگِ ناتمامے — مسلمانے کہ بے اللہ ھو زیست! ۳۳ع

(ص ۴۳)

○

حقِ آں دہ کہ مسکین و اسیر است — فقیر و غیرتِ او دیر میر است
بروئے او درِ میخانہ بستند — دریں کشور مسلماں تشنہ میر است ۳۴ع

(ص ۴۳)

○

دگر پاکیزہ کن آب و گلِ او — جہانے آفریں اندر دلِ او
ہوا تیز و بدامانش دو صد چاک — بیندیش از چراغِ بسملِ او ۳۵ع

(ص ۴۴)

○

عروسِ زندگی در خلوتش غیر — کہ دارد در مقامِ نیستی سیر
گنہگاریست پیش از مرگ در قبر — نکیرش از کلیسا، منکر از دیر! ۳۶ع

(ص ۴۴)

○

بچشمِ او نہ نور و نے سرور است — نہ دل در سینۂ او ناصبور است
خدا آں امتے را یار بادا — کہ مرگِ او ز جانِ بے حضور است! ۳۷ع

(ص ۴۵)

○

مسلماں زادہ و نامحرمِ مرگ! ز بیمِ مرگ لرزاں تا دمِ مرگ!
دلے در سینۂ چاکش ندیدیم دمِ بگسستۂ بود و غمِ مرگ! ۳۸
(ص ۳۵)

○

ملوکیت سراپا شیشہ بازی است ازو ایمن نہ رومی نے حجازی است
حضورِ تو غمِ یاراں بگویم بامیدے کہ وقتِ دل نوازی است! ۳۹
(ص ۳۶)

○

تنِ مردِ مسلماں پایدار است بنائے پیکرِ او استوار است
طبیبِ نکتہ رس دید از نگاہش خودی اندر وجودش رعشہ دار است! ۴۰
(ص ۳۶)

○

مسلماں شرمسار از بے کلاہی است کہ دینش مُرد و فقرش خانقاہی است
تو دانی در جہاں میراثِ ما چیست گلیمے از قماشِ پادشاہی است! ۴۱
(ص ۳۷)

○

مپرس از من کہ احوالش چسان است زمینش بدگہر چوں آسمان است
بر آں مُرغے کہ پروردی بانجیر تلاشِ دانہ در صحرا گران است ۴۲
(ص ۳۷)

○

بچشمش وا نمودم زندگی را کشودم نکتۂ فردا و دی را
تواں اسرارِ جاں را فاش تر گفت بدہ نطقِ عرب ایں اعجمی را! ۴۳
(ص ۳۸)

○

مسلماں گرچہ بے خیل و سپاہے است ضمیرِ او ضمیرِ پادشاہے است
اگر او را مقامش باز بخشند جمالِ او جلالِ بے پناہے است! ۴۴
(ص ۳۸)

○

متاعِ شیخ اساطیرِ کہن بود حدیثِ او ہمہ تخمین و ظن بود
ہنوز اسلامِ او زنار دار است حرم چوں دیر بود او برہمن بود! ۴۵
(ص ۳۹)

○

دگرگوں کرد لادینی جہاں را — ز آثارِ بدن گفتند جاں را
ازاں فقرے کہ با صدیقؓ دادی — بشورے آور ایں آسودہ جاں را ۴۶؎

(ص۴۹)

○

حرم از دیرِ گیرد رنگ و بوئے — بتِ ما پیرکِ ژولیدہ موئے
نیابی در برِ ما تیرہ بختاں — دلے روشن ز نورِ آرزوئے! ۴۷؎

(ص۵۰)

○

فقیراں تا بمسجد صف کشیدند — گریبانِ شہنشاہاں دریدند
چو آں آتش درونِ سینہ افسرد — مسلماناں بدرگاہاں خزیدند! ۴۸؎

(ص۵۰)

○

مسلماناں بخویشاں در ستیزند — بجز نقشِ دوئی بر دل نہ ریزند
بنالند ار کسے خشتے بگیرد — ازاں مسجد کہ خود از وے گریزند! ۴۹؎

(ص۵۱)

○

جبیں را پیشِ غیر اللہ سُودیم — چو گبراں در حضورِ او سرودیم
ننالم از کسے، می نالم از خویش — کہ ما شایانِ شانِ تو نبودیم ۵۰؎

(ص۵۱)

○

بدستِ میکشاں خالی ایاغ است — کہ ساقی را بہ بزمِ من فراغ است
نگہ دارم درونِ سینہ آہے — کہ اصلِ او ز دودِ آں چراغ است! ۵۱؎

(ص۵۲)

○

سبوئے خانقاہاں خالی از مے — کند مکتب رہِ طے کردہ را طے
ز بزمِ شاعراں افسردہ رفتم — نوا ہا مُردہ بیروں افتد از نے! ۵۲؎

(ص۵۲)

○

مسلمانم غریبِ ہر دیارم — کہ با ایں خاکداں کارے ندارم
بایں بے طاقتی در پیچ و تابم — کہ من دیگر بغیر اللہ دُچارم ۵۳؎

(ص۵۳)

○

بآں بالے کہ بخشیدی پریدم   بسوزِ نغمہ ہائے خود تپیدم
مسلمانے کہ مرگ از وے بلرزد   جہاں گردیدم و اُو را ندیدم! ۵۴
(ص۵۳)

○

شبے پیشِ خدا بگریستم زار   مسلماناں چرا زارند و خوارند
ندا آمد، نمیدانی کہ ایں قوم   دلے دارند و محبوبے ندارند! ۵۵
(ص۵۴)

○

نگویم از فروفالے کہ بگذشت   چہ سود از شرحِ احوالے کہ بگذشت
چراغے داشتم در سینۂ خویش   فسرد اندر دو صد سالے کہ بگذشت! ۵۶
(ص۵۴)

○

نگہبانِ حرم معمارِ دیر است   یقینش مردہ و چشمش بغیر است
ز اندازِ نگاہِ او تواں دید   کہ نومید از ہمہ اسباب خیر است ۵۷
(ص۵۵)

○

ز سوزِ ایں فقیرِ رہ نشینے   بدہ او را ضمیرِ آتشینے!
دلش را روشن و پایندہ گرداں   ز امیدے کہ زاید از یقینے! ۵۸
(ص۵۵)

○

گہے افتم گہے مستانہ خیزم   چہ خوں بے تیغ و شمشیرے بریزم
نگاہِ التفاتے بر سرِ بام   کہ من با عصرِ خویش اندر ستیزم! ۵۹
(ص۵۶)

○

مرا تنہائی و آہ و فغاں بہ   سوئے یثرب سفر بے کارواں بہ
کجا مکتب، کجا میخانۂ شوق   تو خود فرما مرا ایں بہ کہ آں بہ! ۶۰
(ص۵۶)

○

پریدم در فضائے دلپذیرش   پرم تر گشت از ابرِ مطیرش
حرم تا در ضمیرِ من فرو رفت   سرودم آنچہ بود اندر ضمیرش! ۶۱
(ص۵۷)

○

بآں رازے کہ گفتم، پے نبردند
ز شاخِ نخلِ من خرما نخوردند
من اے میرِ اُمم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزلخوانے شمردند ۶۲؎
(ص ۵۷)

○

نہ شعر است اینکہ بروے دل نہادم
گرہ از رشتۂ معنی کشادم
بامیدے کہ اکسیرے زند عشق
مسِ ایں مفلساں را تاب دادم ۶۳؎
(ص ۵۸)

○

تو گفتی از حیاتِ جاوداں گوے
بگوشِ مُردۂ پیغامِ جاں گوے
ولے گویند ایں ناحق شناساں
کہ تاریخِ وفاتِ این و آں گوے! ۶۴؎
(ص ۵۸)

○

زخم از دردِ پنہاں زعفرانی
تراود خوں ز چشمِ ارغوانی
سخن اندر گلوے من گرہ بست
تو احوالِ مرا ناگفتہ دانی! ۶۵؎
(ص ۵۹)

○

زبانِ ما غریباں از نگاہیست
حدیثِ دردمنداں اشک و آہیست
کشادم چشم و بربستم لبِ خویش
سخن اندر طریقِ ما گناہیست! ۶۶؎
(ص ۵۹)

○

خودی دادم ز خود نامحرمے را
کشادم در گِلِ او زمزمے را
بدہ آں نالۂ گرمے کہ از وے
بسوزم جز غمِ دیں ہر غمے را ۶۷؎
(ص ۶۰)

○

درونِ ما بجز دودِ نفس نیست
بجز دستِ تو ما را دسترس نیست
دگر افسانۂ غم با کہ گویم
کہ اندر سینہ ہا غیر از تو کس نیست ۶۸؎
(ص ۶۰)

○

غریبے دردمندے نے نوازے
ز سوزِ نغمۂ خود در گدازے
تو می دانی چہ می جوید چہ خواہد
دلے از ہر دو عالم بے نیازے! ۶۹؎
(ص ۶۱)

○

نم و رنگ از دمِ بادے نجومیم ز فیضِ آفتابِ تو برومیم
نگاہم از مہ و پرویں بلند است سخن را بر مزاجِ کس نگویم ۰؎

(ص ۶۱)

○

در آں دریا کہ او را ساحلے نیست دلیلِ عاشقاں غیر از دلے نیست
تو فرمودی رہِ بطحا گرفتیم وگرنہ جز تو ما را منزلے نیست! ۱؎

(ص ۶۲)

○

مراں از در کہ مشتاقِ حضوریم ازاں دردے کہ دادی ناصبوریم
بفرما ہر چہ می خواہی بجز صبر کہ ما از وے دو صد فرسنگ دوریم! ۲؎

(ص ۶۲)

○

بہ افرنگی بتاں دل باختم من ز تابِ دیریاں بگداختم من
چناں از خویشتن بیگانہ بودم چو دیدم خویش را نشناختم من! ۳؎

(ص ۶۳)

○

مے از میخانۂ مغرب چشیدم بجانِ من کہ دردِ سر خریدم
نشستم با نکویانِ فرنگی ازاں بے سوز تر روزے ندیدم! ۴؎

(ص ۶۳)

○

فقیرم از تو خواہم ہر چہ خواہم دلِ کوہے خراش از برگِ کاہم
مرا درسِ حکیماں دردِ سر داد کہ من پروردۂ فیضِ نگاہم! ۵؎

(ص ۶۴)

○

نہ با ملا نہ با صوفی نشینم تو میدانی کہ من آنم نہ اینم
نویس 'اللہ' بر لوحِ دلِ من کہ ہم خود را ہم او را فاش بینم ۶؎

(ص ۶۴)

○

دلِ ملا گرفتارِ غمے نیست نگاہے ہست در چشمش نمے نیست
ازاں بگریختم از مکتبِ او کہ در ریگِ حجازش زمزمے نیست! ۷؎

(ص ۶۵)

○

سرِ منبر کلامش نیشدار است — کہ او را صد کتاب اندر کنار است
حضورِ تو من از خجلت نگفتم — ز خود پنہان و بر ما آشکار است ۷۸ے

(ص۶۵)

○

دلِ صاحبدلاں او برد یا من؟ — پیامِ شوق او آورد یا من
من و مُلّا ز کیشِ دیں دو تیریم — بفرما بر ہدف او خورد یا من؟ ۷۹ے

(ص۶۶)

○

غریبم در میانِ محفلِ خویش — تو خود گو با کہ گویم مشکلِ خویش
ازاں ترسم کہ پنہانم شود فاش — غمِ خود را نگویم با دلِ خویش! ۸۰ے

(ص۶۶)

○

دلِ خود را بدستِ کس ندادم — گرہ از روئے کارِ خود کشادم
بغیر اللہ کردم تکیہ یک بار — دو صد بار از مقامِ خود فتادم ۸۱ے

(ص۶۷)

○

جہاں سوز جنوں اندر سرِ من — جہاں ہنگامہ ہا اندر برِ من
ہنوز از جوشِ طوفانے کہ بگذشت — نیاسود است موجِ گوہرِ من ۸۲ے

(ص۶۷)

○

ہنوز ایں خاک دارائے شرر ہست — ہنوز ایں سینہ را آہِ سحر ہست
تجلّی ریز بر چشمم کہ بینی — بایں پیری مرا تابِ نظر ہست! ۸۳ے

(ص۶۸)

○

نگاہم زانچہ بینم بے نیاز است — دل از سوزِ درونم درگداز است
من و ایں عصرِ بے اخلاص و بے سوز! — بگو با من کہ آخر ایں چہ راز است؟ ۸۴ے

(ص۶۸)

○

مرا در عصرِ بے سوز آفریدند — بخاکم جانِ پر شورے دمیدند
چو نخ در گردنِ من زندگانی — تو گوئی بر سرِ دارم کشیدند! ۸۵ے

(ص۶۹)

○

نگیرد لالہ و گل رنگ و بویم
درونِ سینہ ام مرد آرزویم
غمِ پنہاں بحرف اندر نگنجد
اگر گنجد چہ گویم با کہ گویم! ۸۶
(ص۶۹)

○

من اندر مشرق و مغرب غریبم
کہ از یارانِ محرم بے نصیبم
غمِ خود را بگویم با دلِ خویش
چہ معصومانہ غربت را فریبم! ۸۷
(ص۷۰)

○

طلسمِ علمِ حاضر را شکستم
ربودم دانہ و دامش گسستم
خدا داند کہ مانندِ براہیم
بہ نارِ او چہ بے پروا نشستم! ۸۸
(ص۷۰)

○

بچشمِ من نگہ آوردۂ تست
فروغِ لا الٰہ آوردۂ تست
دوچارم کن بہ صبحِ مَن رَآنی
شبم را تابِ مہ آوردۂ تست! ۸۹
(ص۷۱)

○

چو خود را در کنارِ خود کشیدم
بہ نورِ تو مقامِ خویش دیدم!
دریں دیرِ از نوائے صبحگاہی
جہانِ عشق و مستی آفریدم! ۹۰
(ص۷۱)

○

دریں عالم بہشتِ خرمے ہست
بشاخِ او ز اشکِ من نمے ہست
نصیبِ او ہنوز آں ہا و ہو نیست
کہ او در انتظارِ آدمے ہست ۹۱
(ص۷۲)

○

بدہ او را جوانِ پاکبازے
سرورش از شرابِ خانہ سازے
قوی بازوے او مانندِ حیدرؓ
دلِ او از دو گیتی بے نیازے ۹۲
(ص۷۲)

○

بیا ساقی بگرداں جامِ مے را
ز مے سوزندہ تر کن سوزِ نے را
دگر آں دل بنہ در سینۂ من
کہ بینم پنجۂ کاؤس و کے را! ۹۳
(ص۷۳)

○

جہاں از عشق و عشق از سینۂ تست — سرورش از مئے دیرینۂ تست
جز ایں چیزے نمیدانم ز جبریل — کہ او یک جوہر از آئینۂ تست! ۹۴
(ص۷۳)

○

مرا ایں سوز از فیضِ دمِ تست — بتاکم موجِ مے از زمزمِ تست
خجل مُلکِ جم از درویشیِ من — کہ دل در سینۂ من محرمِ تست! ۹۵
(ص۷۴)

○

دریں بتخانہ دل با کس نہ بستم — ولیکن از مقامِ خود گسستم
ز من امروز می خواہد سجودے — خداوندے کہ دی او را شکستم! ۹۶
(ص۷۴)

○

دمید آں لالہ از مشتِ غبارم — کہ خونش می تراود از کنارم
قبولش کن ز راہِ دل نوازی — کہ من غیر از دلے چیزے ندارم! ۹۷
(ص۷۵)

○

حضورِ ملّتِ بیضا تپیدم — نوائے دلگدازے آفریدم
ادب گوید سخن را مختصر گوے — تپیدم، آفریدم، آرمیدم! ۹۸
(ص۷۵)

○

بصدقِ فطرتِ رندانۂ من — بسوزِ آہِ بیتابانۂ من
بدہ آں خاک را ابرِ بہارے — کہ در آغوش گیرد دانۂ من! ۹۹
(ص۷۶)

○

دلے بر کف نہادم، دلبرے نیست — متاعے داشتم، غارت گرے نیست
درونِ سینۂ من منزلے گیر — مسلمانے ز من تنہا ترے نیست! ۱۰۰
(ص۷۶)

○

چو رومی در حرم دادم اذاں من — ازو آموختم اسرارِ جاں من
بہ دورِ فتنۂ عصرِ کہن او — بہ دورِ فتنۂ عصرِ رواں من! ۱۰۱
(ص۷۷)

○

گلستانے ز خاکِ من برانگیز — نمِ چشمم بخونِ لالہ آمیز
اگر شایاں نیم تیغِ علیؓ را — نگاہے دِہ چو شمشیرِ علیؓ تیز! ۱۰۲
(ص ۷۷)

○

مسلماں تا بساحل آرمید است — خجل از بحر و از خود نا امید است
جز ایں مردِ فقیرے دردمندے — جراحت ہائے پنہانش کہ دید است؟ ۱۰۳
(ص ۷۸)

○

کہ گفت او را کہ آید بوئے یارے؟ — کہ داد او را امیدِ نو بہارے؟
چو آں سوزِ کہن رفت از دمِ او — کہ زد بر نیستانِ او شرارے؟ ۱۰۴
(ص ۷۸)

○

ز بحرِ خود بجوئے من گہر دہ — متاعِ من بکوہ و دشت و در دہ
دلم نکشود ازاں طوفاں کہ دادی — مرا شورے ز طوفانے دگر دہ! ۱۰۵
(ص ۷۹)

○

بجلوت نے نوازی ہائے من بیں — بخلوت خود گدازی ہائے من بیں
گرفتم نکتۂ فقر از نیاگاں — ز سلطاں بے نیازی ہائے من بیں! ۱۰۶
(ص ۷۹)

○

بہر حالے کہ بودم خوش سرودم — نقاب از روئے ہر معنی کشودم
مپرس از اضطرابِ من کہ با دوست — دمے بودم دمے دیگر نبودم! ۱۰۷
(ص ۸۰)

○

شریکِ درد و سوزِ لالہ بودم — ضمیرِ زندگی را وا نمودم
ندانم با کہ گفتم نکتۂ شوق — کہ تنہا بودم و تنہا سرودم ۱۰۸
(ص ۸۰)

○

بنورِ تو برافروزم نگہ را — کہ بینم اندرونِ مہر و مہ را
چہ می گویم مسلمانم، بلرزم — کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را ۱۰۹
(ص ۸۱)

○

بکوئے تو گداز یک نوا بس　　مرا ایں ابتدا ایں انتہا بس
خرابِ جرأتِ آں رندِ پاکم　　خدا را گفت ما را مصطفیٰؐ بس! ۱۱۰
(ص۸۱)

۱۲

ز شوق آموختم آں ہاؤ ہوئے　　کہ از سنگے کشاید آبجوئے
ہمیں یک آرزو دارم کہ جاوید　　ز عشقِ تو بگیرد رنگ و بوئے ۱۱۱
(ص۸۲)

○

یکے بنگر فرنگی کج کلاہاں　　تو گوئی آفتاباند و ماہاں
جوانِ سادۂ من گرم خون است　　نگہدارش ازیں کافر نگاہاں ۱۱۲
(ص۸۲)

○

بدہ دستے ز پا افتادگاں را　　بہ غیرُ اللہ دل نا دادگاں را
ازاں آتش کہ جانِ من برافروخت　　نصیبے دہ مسلماں زادگاں را ۱۱۳
(ص۸۳)

۱۳

تو ہم آں مے بگیر از ساغرِ دوست　　کہ باشی تا ابد اندر برِ دوست
سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں　　بروبم از مژہ خاکِ درِ دوست ۱۱۴
(ص۸۳)

○

تو سلطانِ حجازی من فقیرم　　ولے در کشورِ معنی امیرم
جہانے کو ز تخمِ لا اِلٰہ رست　　بیا بنگر بآغوشِ ضمیرم ۱۱۵
(ص۸۴)

○

سراپا درد درماں نا پذیرم　　نہ پنداری زبون و زار و پیرم
ہنوزم در کمانے میتواں راند　　ز کیشِ ملتے افتادہ تیرم! ۱۱۶
(ص۸۴)

○

بیا باہم در آویزیم و رقصیم　　ز گیتی دل برانگیزیم و رقصیم
یکے اندر حریمِ کوچۂ دوست　　ز چشماں اشکِ خوں ریزیم و رقصیم ۱۱۷
(ص۸۵)

○

ترا اندر بیابانے مقام است | کہ شامش چوں سحر آئینہ فام است
بہر جائے کہ خواہی خیمہ گستر | طناب از دیگراں جستن حرام است۱۱۸
(ص۸۵)

○

مسلمانیم و آزاد از مکانیم | بروں از حلقۂ نہ آسمانیم
بما آموختند آں سجدہ کز وے | بہائے ہر خداوندے بدانیم۱۱۹
(ص۸۶)

○

ز افرنگی صنم بیگانہ تر شو | کہ پیمانش نمی ارزد بیک جو
نگاہے وام کن از چشمِ فاروق | قدم بیباک نہ در عالمِ نو! ۱۲۰
(ص۸۶)

حواشی:

۱۔ "حضورِ رسالتؐ" کے آغاز میں مرقوم عزت بخاری کے اس شعر کا پہلا مصرع بیاض میں یوں ہے:
ادب گا ہے است درزیرِ زمیں از عرش نازک تر (ر۔ک) بیاض، ص:۲۷

۲۔ الا یا خیمگی ......الخ۔ منوچہری کا شعر ہے۔ خیمگی: خیمہ نشین۔ فروہل: چھوڑ دے۔ پیش آہنگ: وہ شخص جو رہنمائی کی غرض سے قافلے کے آگے آگے چلتا ہے (الف)۔ (ر۔ک) طبع اول۔ بیاض میں اس دوبیتی پر حاشیہ نہیں ہے لیکن شعر متضمن کے ساتھ "جای" کی طرف اشارہ ہے۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۳۱۔ نسخۂ اکادمی میں بھی حاشیہ درج نہیں کیا گیا۔ (ر۔ک) اکادمی، ص:۳۱

۳۔ بیاض، ص:۳۹

۴۔ بیاض، ص:۲۹

۵۔ بیاض، ص:۳۱

۶۔ بیاض، ص:۴۳

۷۔ بیاض، ص:۳۲۔ یہ دوبیتی بیاض کے صفحہ ۲۷ پر بھی موجود ہے لیکن وہاں اقبال نے تصرف کے بعد اسے رد کر دیا۔ محذوف دوبیتی دیکھیے:

گناہ سوز و مستی عام کردند　　فقیہ شہر را بدنام کردند
دگر بار آں نوائے اعجمی زن　　نخستیں بادہ کاندر جام کردند

اس مستزاد دوبیتی کا تیسرا مصرع بھی تصرف شدہ ہے جو اولاً یوں تھا: نوائے اعجمی را تیز تر زن۔ (ر۔ک) بیاض، ص: ۲۷۔

۸۔ بیاض، ص: ۳۰
۹۔ بیاض، ص: ۲۹
۱۰۔ ایضاً
۱۱۔ ایضاً
۱۲۔ بیاض، ص: ۳۲
۱۳۔ بیاض، ص: ۳۲
۱۴۔ اعجمی: عجم کا رہنے والا، غیر عرب (الف)۔ (ر۔ک) طبع اول، ص ۳۳۔ بیاض میں اس دوبیتی پر حاشیہ نہیں۔ (ر۔ک) بیاض، ص: ۳۲، نسخۂ اکادمی میں بھی حاشیہ نہیں دیا گیا۔ (ر۔ک) اکادمی، ص: ۳۳
۱۵۔ بیاض، ص: ۳۲
۱۶۔ بیاض، ص: ۳۳
۱۷۔ بیاض، ص: ۳۶
۱۸۔ ایضاً
۱۹۔ بیاض، ص: ۳۸
۲۰۔ بیاض، ص: ۳۱
۲۱۔ بیاض، ص: ۳۹
۲۲۔ ایضاً
۲۳۔ بیاض، ص: ۳۰
۲۴۔ بیاض، ص: ۳۸
۲۵۔ بیاض، ص: ۴۰
۲۶۔ بیاض، ص: ۹

۲۷ بیاض، ص:۳۶

۲۸ بیاض، ص:۳۷

۲۹ بیاض، ص:۳۶

۳۰ بیاض، ص:۳۹

۳۱ بیاض، ص:۴۱

۳۲ بیاض: ندارد

۳۳ بیاض، ص:۴۱

۳۴ بیاض، ص:۴۰

۳۵ بیاض، ص:۳۷

۳۶ بیاض، ص:۴۰

۳۷ بیاض، ص:۵۱

۳۸ بیاض، ص:۵۵

۳۹ بیاض، ص:۹

۴۰ بیاض، ص:۳۴

۴۱ بیاض: ندارد

۴۲ بیاض میں یہ دوبیتی کلی طور پر تو موجود نہیں لیکن اس کا تیسرا مصرع ایک دوسری دوبیتی میں ضرور شامل ہے، اور علامہ نے اس دوبیتی کو حذف بھی نہیں کیا۔ تاہم یہ مطبوعہ مجموعے میں نظر نہیں آتی۔

یہ دوبیتی اس طرح ہے:

نہاں در جیب ہر سودش زیان است　　لب او شکوہ سنج آسمان است

براں مرغے کہ پروردی بانجیر　　ز خاکے دانہ برچیدن گران است

(ر۔ک) بیاض، ص:۴۲

۴۳ بیاض، ص:۴۴

۴۴ بیاض، ص:۴۱

۴۵ بیاض میں یہ دوبیتی مختلف شکل میں یوں درج ہے:

کتابِ شیخ اساطیر کہن بود   سراپا بندۂ تخمین و ظن بود
ہنوز آں قشقہ نیم بر جبینش   حرم چوں دیر بود او برہمن بود!

(ر۔ک) بیاض، ص:۳۲

۴۶ بیاض، ص:۳۷

۴۷ بیاض، ص:۳۳

۴۸ ایضاً

۴۹ بیاض، ص:۳۹

۵۰ بیاض، ص:۳۷

۵۱ بیاض میں اس دوبیتی کا دوسرا مصرع اس طرح ہے: کہ ساقی را ز بزمِ من فراغ است (ر۔ک) بیاض، ص:۳۵

۵۲ بیاض، ص:۳۸

۵۳ ایضاً

۵۴ بیاض، ص:۳۲

۵۵ بیاض: ندارد

۵۶ بیاض، ص:۳۵

۵۷ بیاض، ص:۳۷

۵۸ ایضاً

۵۹ بیاض میں اس دوبیتی کا تیسرا مصرع یوں ہے: نگاہِ التفاتے از سرِ بام (ر۔ک) بیاض، ص:۳۲

۶۰ بیاض، ص:۳۶

۶۱ بیاض، ص:۳۰

۶۲ بیاض میں یہ دوبیتی صفحہ ۳۰ پر دو بار مرقوم ہے اور دونوں میں بالکل کوئی تفاوت نہیں، البتہ ایک دوبیتی کو علامہ نے قلمزد کر دیا ہے۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۳۰

۶۳ بیاض: ندارد

۶۴ بیاض، ص:۳۰

۶۵ ایضاً

۶۶ے بیاض میں اس دوبیتی کا تیسرا مصرع مختلف ہے: حضورش چشم بکشا لب فرو بند (ر-ک) بیاض، ص:۳۰

۶۷ے بیاض، ص:۴۴

۶۸ے بیاض، ص:۳۱

۶۹ے بیاض، ص:۳۲

۷۰ے ایضاً

۷۱ے بطحا: مکہ معظمہ (الف)۔(ر-ک) طبع اول، ص۶۲، مصرع سوم سے متعلق حاشیہ بیاض میں شامل نہیں ہے۔(ر-ک) بیاض، ص:۳۳ نیز نسخۂ اکادمی میں بھی حاشیہ نہیں دیا گیا۔(ر-ک) اکادمی، ص:۴۵

۷۲ے بیاض، ص:۳۱

۷۳ے بیاض میں دوسرا مصرع یوں ہے: بایں آتش چو خیز بگداختم من (ر-ک) بیاض، ص:۳۳

۷۴ے بیاض، ص:۱۰۔ نسخۂ غلام علی میں اس دوبیتی کے مصرع چہارم میں "بے سوز" کے بجائے "بے سود" چھپا ہے۔(ر-ک) غلام علی، ص۴۷

۷۵ے بیاض میں اس دوبیتی کا مصرع اول اس طرح ہے: فقیرم از تو خواہم آنچہ خواہم (ر-ک) بیاض، ص:۴۱

۷۶ے بیاض، ص:۳۳

۷۷ے بیاض، ص:۳۵۔ نسخۂ غلام علی میں اس دوبیتی کا مصرع دوم یوں رقم ہے: نگاہے ہست در چشمش نمے نیست (ر-ک) غلام، ص:۴۸

۷۸ے بیاض، ص:۳۵

۷۹ے بیاض میں یہ دوبیتی اسی صورت میں دوبار لکھی گئی ہے جن میں سے ایک قلمزد ہے۔(ر-ک) بیاض، ص:۵۰

۸۰ے بیاض، ص:۳۶

۸۱ے بیاض، ص:۴۵

۸۲ے ایضاً

۸۳ے ایضاً

۸۴۔ بیاض، ص:۳۵۔ اس دوبیتی کا مصرع چہارم اسی صورت میں علامہ کی ایک دوسری دوبیتی کا دوسرا مصرع ہے جسے علامہ نے مسترد کر دیا۔ مکمل دوبیتی یوں ہے:

بروے کافراں را در کشادی   بنائے کار شاں محکم نہادی
بگو با من کہ آخر ایں چہ راز است   مسلماں را دم آبے ندادی

(ر۔ک) بیاض، ص:۴۹

۸۵۔ بیاض، ص:۳۵

۸۶۔ بیاض میں اس دوبیتی کا دوسرا مصرع یہ ہے: درونِ سینہ میرد آرزویم (ر۔ک) بیاض، ص:۳۵

۸۷۔ بیاض میں اس دوبیتی کا تیسرا اور چوتھا مصرع مختلف ہے، یعنی: بگیرم آشنا تا آشکارا۔ اور۔ چہ استاد انہ غربت راز مہم۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۳۵

۸۸۔ بیاض، ص:۳۵

۸۹۔ من رآنی: تلمیح ہے حدیث مشہور "من رآنی فقد رأالله" کی طرف یعنی جس نے مجھے دیکھا خدا کو دیکھا (الف) (ر۔ک) طبع اول، ص:۱۷۔ بیاض میں تیسرے مصرعے پر حاشیہ نہیں (ر۔ک) بیاض، ص:۳۵۔ یہ حاشیہ نسخۂ اکادمی میں بھی نہیں (ر۔ک) اکادمی، ص:۴۸

۹۰۔ بیاض، ص:۴۷

۹۱۔ ایضاً

۹۲۔ ایضاً

۹۳۔ بیاض، ص:۳۳

۹۴۔ بیاض، ص:۴۹

۹۵۔ بیاض، ص:۱۰

۹۶۔ بیاض، ص:۳۶

۹۷۔ ایضاً

۹۸۔ ایضاً

۹۹۔ بیاض، ص:۳۶۔ بیاض میں یہ دوبیتی صفحہ ۴۱ پر بھی قلمزد صورت میں موجود ہے (ر۔ک) بیاض، ص:۴۱

۱۰۰۔ بیاض، ص:۱۰

۱۰۱۔ ایضاً

۱۰۲۔ ایضاً

۱۰۳۔ ایضاً

۱۰۴۔ بیاض، ص:۵۰

۱۰۵۔ ایضاً

۱۰۶۔ ایضاً

۱۰۷۔ بیاض، ص:۵۱

۱۰۸۔ ایضاً

۱۰۹۔ بیاض میں مصرع اول یوں ہے: بنورے تو برافروزم نگہ را (ر۔ک) بیاض، ص:۵۵

۱۱۰۔ بیاض، ص:۴۱

۱۱۱۔ بیاض، ص:۲۷

۱۱۲۔ ایضاً

۱۱۳۔ ایضاً

۱۱۴۔ بیاض، ص:۲۸

۱۱۵۔ ایضاً

۱۱۶۔ ایضاً

۱۱۷۔ بیاض، ص:۲۸۔ یہی دو بیتی بیاض کے صفحہ ۲۶ پر بھی ہے لیکن وہاں علامہ نے اسے مسترد کر دیا ہے۔

۱۱۸۔ بیاض، ص:۲۸۔

۱۱۹۔ بیاض میں مصرع سوم یوں ہے: بما آموختی آں سجدہ کردے (ر۔ک) بیاض، ص:۴۱

۱۲۰۔ بیاض، ص:۲۸

حضورِ ملّت

بجو از من کلامِ عارفانہ   کہ من دارم سرشتِ عاشقانہ
سرشکِ لالہ گوں را اندریں باغ   بیفشانم چو شبنم دانہ دانہ ۱؎
(ص۸۷)

حضورِ ملّت

۱

بحق دل بند و راہِ مصطفیٰؐ رو

بمنزل کوش مانندِ مہِ نو … دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو
مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر … بحق دل بند و راہِ مصطفیٰؐ رو[۲]
(ص ۸۹)

○

چو موج از بحرِ خود بالیدہ ام من … بخود مثلِ گہر پیچیدہ ام من
ازاں نمرود با من سرگران است … بہ تعمیرِ حرم کوشیدہ ام من[۳]
(ص ۹۰)

○

بیا ساقی بگرداں ساتگیں را … بیفشاں بر دو گیتی آستیں را
حقیقت را بہ رندے فاش کردند … کہ مُلّا کم شناسد رمزِ دیں را[۴]
(ص ۹۰)

○

بیا ساقی نقاب از رخ برافگن … چکید از چشمِ من خونِ دلِ من
بہ آں لحنے کہ نے شرقی نہ غربی است … نوائے از مقامِ لَاتَخَف زن[۵]
(ص ۹۱)

○

بروں از سینہ کش تکبیرِ خود را … بخاکِ خویش زن اکسیرِ خود را
خودی را گیر و محکم گیر و خوش زی … مدہ در دستِ کس تقدیرِ خود را[۶]
(ص ۹۱)

○

مسلماں از خودی مردِ تمام است … بخاکش تا خودی میرد غلام است
اگر خود را متاعِ خویش دانی … نگہ را جز بخود بستن حرام است[۷]
(ص ۹۲)

○

مسلماناں کہ خود را فاش دیدند / بہر دریا چو گوہر آرمیدند
اگر از خود رمیدند اندریں دیر / بجانِ تو کہ مرگِ خود خریدند۸
(ص ۹۲)

○

کشودم پردہ را از روئے تقدیر / مشو نومید و راہِ مصطفیٰؐ گیر
اگر باور نداری آنچہ گفتم / ز دیں بگریز و مرگِ کافرے میر!۹
(ص ۹۳)

○

بہ تُرکاں بستہ در ہا را کشادند / بنائے مصریاں محکم نہادند
تو ہم دستے بدامانِ خودی زن / کہ بے او ملک و دیں کس را ندادند!۱۰
(ص ۹۳)

○

ہر آں قومے کہ می ریزد بہارش / نسازد جز بہ بو ہائے رسیدہ
ز خاکش لالہ می روید و لیکن / قبائے دارد از رنگِ پریدہ۱۱
(ص ۹۴)

○

خدا آں ملتے را سروری داد / کہ تقدیرش بدستِ خویش بنوشت
بہ آں ملت سروکارے ندارد / کہ دہقانش برائے دیگراں کشت۱۲
(ص ۹۴)

○

ز رازی حکمتِ قرآں بیاموز / چراغے از چراغِ او بر افروز
ولے ایں نکتہ را از من فراگیر / کہ نتواں زیستن بے مستی و سوز۱۳
(ص ۹۵)

۲
خودی

کسے کو بر خودی زد لا الٰہ را / ز خاکِ مردہ رویاند نگہ را
مدہ از دست دامانِ چنیں مرد / کہ دیدم در کمندش مہر و مہ را۱۴
(ص ۹۵)

○

تو اے ناداں دلِ آگاہ دریاب / بخود مثلِ نیاگاں راہ دریاب
چساں مومن کند پوشیدہ را فاش / ز لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ دریاب۱۵
(ص ۹۶)

○

دل تو داغِ پنہانے ندارد
تب و تابِ مسلمانے ندارد
خیابانِ خودی را دادۂ آب
ازاں دریا کہ طوفانے ندارد ۱۶؎
(ص ۹۶)

۳
اناالحق

اناالحق جز مقامِ کبریا نیست
سزائے او چلیپا ہست یا نیست؟
اگر فردے بگوید سرزنش بہ
اگر قومے بگوید ناروا نیست! ۱۷؎
(ص ۹۷)

○

بہ آں ملت اناالحق سازگار است
کہ از خونش نم ہر شاخسار است
نہاں اندر جلالِ او جمالے
کہ او را نہ سپہر آئینہ دار است! ۱۸؎
(ص ۹۷)

○

میانِ اُمتاں والا مقام است
کہ آں امت دوگیتی را امام است
نیاساید ز کارِ آفرینش
کہ 'خواب' و 'خستگی' بروے حرام است! ۱۹؎
(ص ۹۸)

○

وجودش شعلہ از سوزِ درون است
چو خس او را جہانِ چند و چون است
کند شرحِ اناالحق ہمتِ او
پئے ہر 'کُن' کہ می گوید 'یکون' است ۲۰؎
(ص ۹۸)

○

پرد در وسعتِ گردوں یگانہ
نگاہِ او بہ شاخِ آشیانہ
مہ و انجم گرفتارِ کمندش
بدستِ اوست تقدیرِ زمانہ ۲۱؎
(ص ۹۹)

○

بباغاں عندلیبے خوش صفیرے
براغاں جرّہ بازے زود گیرے
امیرِ او بسلطانی فقیرے
فقیرِ او بہ درویشی امیرے ۲۲؎
(ص ۹۹)

○

بجامِ نو کہن مے از سبو ریز
فروغِ خویش را بر کاخ و کو ریز
اگر خواہی ثمر از شاخِ منصور
بہ دل 'لا غالب الّا اللّٰہ' فرو ریز ۲۳؎
(ص ۱۰۰)

۴

صوفی و مُلّا

گرفتم حضرتِ مُلّا ترش روست   نگاہش مغز را نشناسد از پوست
اگر با ایں مسلمانی کہ دارم   مرا از کعبہ می راند حقِ اوست ۲۴
(ص ۱۰۰)

○

فرنگی صید بست از کعبہ و دیر   صدا از خانقاہاں رفت 'لاغیر'
حکایت پیشِ مُلّا باز گفتم   دعا فرمود 'یارب عاقبت خیر'! ۲۵
(ص ۱۰۱)

○

بہ بندِ صوفی و مُلّا اسیری   حیات از حکمتِ قرآں نگیری
بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست   کہ از 'یٰسین' او آساں بمیری ۲۶
(ص ۱۰۱)

○

ز قرآں پیشِ خود آئینہ آویز   دگرگوں گشتۂ! از خویش بگریز
ترازوئے بنہ کردارِ خود را   قیامت ہائے پیشیں را بر انگیز ۲۷
(ص ۱۰۲)

○

ز من بر صوفی و مُلّا سلامے   کہ پیغامِ خدا گفتند ما را
ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت   خدا و جبرئیل و مصطفیؐ را! ۲۸
(ص ۱۰۲)

○

ز دوزخ واعظِ کافر گرے گفت   حدیثے خوشتر از وے کافرے گفت
'نداند آں غلام احوالِ خود را   کہ دوزخ را مقامِ دیگرے گفت'! ۲۹
(ص ۱۰۳)

○

مریدے خود شناسے پختہ کارے   بہ پیرے گفت حرفِ نیش دارے
بمرگِ ناتمامے جاں سپردن   گرفتن روزی از خاکِ مزارے! ۳۰
(ص ۱۰۳)

○

پسر را گفت پیرے خرقہ بازے   ترا ایں نکتہ باید حرزِ جاں کرد
بہ نمرودانِ ایں دور آشنا باش   ز فیضِ شاں براہیمی تواں کرد! ۳۱
(ص ۱۰۴)

۵

رومی

بکامِ خود دگر آں کہنہ مے ریز — کہ با جامش نیرزد ملکِ پرویز
ز اشعارِ جلال الدین رومی — بہ دیوارِ حریمِ دل بیاویز ۳۲
(ص ۱۰۳)

○

بگیر از ساغرش آں لالہ رنگے — کہ تاثیرش دہد لعلے بہ سنگے
غزالے را دلِ شیرے بہ بخشد — بشوید داغ از پشتِ پلنگے! ۳۳
(ص ۱۰۵)

○

نصیبے بردہ ز تاب و تبِ او — شبم مانندِ روز از کوکبِ او
غزالے در بیابانِ حرم بیں — کہ ریزد خندۂ شیر از لبِ او ۳۴
(ص ۱۰۵)

○

سراپا درد و سوزِ آشنائی — وصالِ او زبانِ دانِ جدائی
جمالِ عشق گیرد از نئے او — نصیبے از جلالِ کبریائی ۳۵
(ص ۱۰۶)

○

گرہ از کارِ ایں ناکارہ وا کرد — غبارِ رہگذر را کیمیا کرد
نئے آں نے نوازے پاکبازے — مرا با عشق و مستی آشنا کرد ۳۶
(ص ۱۰۶)

○

بروئے من درِ دل باز کردند — ز خاکِ من جہانے ساز کردند
ز فیضِ او گرفتم اعتبارے — کہ با من ماہ و انجم ساز کردند ۳۷
(ص ۱۰۷)

○

خیالش با مہ و انجم نشیند — نگاہش آں سوئے پروین بہ بیند
دلِ بیتاب خود را پیشِ او نہ — دمِ او رعشہ از سیماب چیند ۳۸
(ص ۱۰۷)

○

ز رومی گیر اسرارِ فقیری — کہ آں فقر است محسودِ امیری
حذر زاں فقر و درویشی کہ از وے — رسیدی بر مقامِ سربزیری ۳۹
(ص ۱۰۸)

○

خودی تا گشت مہجور خدائی — بہ فقر آموخت آدابِ گدائی
ز چشمِ مستِ رومی وام کردم — سرورے از مقامِ کبریائی ۲۰؎

(ص ۱۰۸)

○

مے روشن ز تاکِ من فرو ریخت — خوشا مردے کہ در دامانم آویخت
نصیب از آتشے دارم کہ اول — سنائی از دلِ رومی برانگیخت ۲۱؎

(ص ۱۰۹)

۶

پیامِ فاروقؓ

تو اے بادِ بیاباں از عرب خیز — ز نیلِ مصریاں موجے بر انگیز
بگو فاروقؓ را پیغامِ فاروقؓ — کہ خود در فقر و سلطانی بیامیز! ۲۲؎

(ص ۱۰۹)

○

خلافت، فقر با تاج و سریر است — زہے دولت کہ پایاں ناپذیر است
جواں بختا! مدہ از دست ایں فقر — کہ بے او پادشاہی زود میر است! ۲۳؎

(ص ۱۱۰)

○

جواں مردے کہ خود را فاش بیند — جہانِ کہنہ را باز آفریند
ہزاراں انجمن اندر طوافش — کہ او با خویشتن خلوت گزیند ۲۴؎

(ص ۱۱۰)

○

بہ روئے عقل و دل بکشائے ہر در — بگیر از پیرِ ہر میخانہ ساغر
دُراں کوش از نیازِ سینہ پرور — کہ دامن پاک داری آستیں تر ۲۵؎

(ص ۱۱۱)

○

خنک آں ملتے بر خود رسیدہ — ز دردِ جستجو نا آرمیدہ
درخشِ او تہِ ایں نیلگوں چرخ — چو تیغے از میاں بیروں کشیدہ ۲۶؎

(ص ۱۱۱)

○

چہ خوش زد ترکِ ملّائے سرودے | رخِ او احمرے چشمش کبودے
بدریا گر گرہ افتد بہ کارم | بجز طوفاں نمی خواہم کشودے ۳۷
(ص ۱۱۲)

○

جہانگیری بخاکِ ما سرشتند | امامت در جبینِ ما نوشتند
درونِ خویش بنگر آں جہاں را | کہ تخمش در دلِ فاروق کشتند ۳۸
(ص ۱۱۲)

○

کسے کو دید اسرارِ یقیں را | بیکے بیں می کند چشمِ دو بیں را
بیامیزند چوں نورِ دو قندیل | میندیش افتراقِ ملک و دیں را ۳۹
(ص ۱۱۳)

○

مسلمانے کہ خود را امتحاں کرد | غبارِ راہِ خود را آسماں کرد
شرارِ شوق اگر داری نگہدار | کہ با وے آفتابی میتواں کرد ۴۰
(ص ۱۱۳)

۷

شعرائے عرب

بگو از من نوا خوانِ عرب را | بہائے کم نہادم لعلِ لب را
ازاں نورے کہ از قرآں گرفتم | سحر کردم صد و سی سالہ شب را ۴۱
(ص ۱۱۳)

○

بجانہا آفریدم ہائے و ہو را | کفِ خاکے شمردم کاخ و کو را
شود روزے حریفِ بحرِ پرشور | ز آشوبے کہ دادم آبجو را ۴۲
(ص ۱۱۳)

○

تو ہم بگذار آں صورت نگاری | بگو غیر از ضمیرِ خویش یاری
[illegible] | مسلماں را بدہ سوزے کہ دانی! ۴۳
(ص ۱۱۵)

○

بخاکِ ما دلے در دل غمے ہست | ہنوز ایں کہنہ شاخے را نمے ہست
بہ افسونِ ہنر آں چشمہ بکشاے | درونِ ہر مسلماں زمزمے ہست! ۴۴
(ص ۱۱۵)

○

مسلماں بندۂ مولا صفات است — دلِ او سرّے از اسرارِ ذات است
جمالش جز بہ نورِ حق نہ بینی — کہ اصلش در ضمیرِ کائنات است! ۵۵
(ص ۱۱۶)

○

بدہ با خاکِ او آں سوز و تابے — کہ زاید از شبِ او آفتابے
نوا آں زن کہ از فیضِ تو او را — دگر بخشند ذوقِ انقلابے! ۵۶
(ص ۱۱۶)

○

مسلمانی غمِ دل در خریدن — چو سیماب از تپِ یاراں تپیدن
حضورِ ملّت از خود درگذشتن — دگر بانگِ انا الملک کشیدن ۵۷
(ص ۱۱۷)

○

کسے کو فاش دید اسرارِ جاں را — نہ بیند جز بچشمِ خود جہاں را
نوائے آفریں در سینۂ خویش — بہارے میتواں کردن خزاں را ۵۸
(ص ۱۱۷)

○

نگہدار آں چہ در آب و گلِ تست — سرور و سوز و مستی حاصلِ تست
تہی دیدم سبوئے این و آں را — مئے باقی بہ مینائے دلِ تست ۵۹
(ص ۱۱۸)

○

شبِ ایں کوہ و دشتِ سینہ تابے — نہ در وے مرغکے نے موجِ آبے
نگردد روشن از قندیلِ رہباں — تو میدانی کہ باید آفتابے! ۶۰
(ص ۱۱۸)

○

نکو میتواں خطِ سیمائے خود را — بدست آور رگِ فردائے خود را
چو من پا در بیابانِ حرم نہ — کہ بینی اندرو پہنائے خود را ۶۱
(ص ۱۱۹)

۸

اے فرزندِ صحرا

سحرگاہاں کہ روشن شد در و دشت — صدا زد مرغکے از شاخِ نخلے
فروہل خیمہ اے فرزندِ صحرا — کہ نتواں زیست بے ذوقِ رحیلے ۶۲
(ص ۱۱۹)

○

عرب را حق دلیلِ کارواں کرد
کہ او با فقر خود را امتحاں کرد
اگر فقرِ تہی دستاں غیور است
جہانے را تہ و بالا تواں کرد ۶۳
(ص ۱۲۰)

○

دراں شب ہا خروشِ صبحِ فرداست
کہ روشن از تجلی ہائے سیناست
تن و جاں محکم از بادِ در و دشت
طلوعِ اُمتاں از کوہ و صحراست! ۶۴
(ص ۱۲۰)

۹
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

دگر آئینِ تسلیم و رضا گیر
طریقِ صدق و اخلاص و وفا گیر
گو شعرم چنیں است و چناں نیست
جنونِ زیرکے از من فرا گیر ۶۵
(ص ۱۲۱)

○

چمن ہا زاں جنوں ویرانہ گردد
کہ از ہنگامہ ہا بیگانہ گردد
ازاں ہوئے کہ افگندم دریں شہر
جنوں ماند ولے فرزانہ گردد ۶۶
(ص ۱۲۱)

○

نخستیں لالۂ صبحِ بہارم
پیاپے سوزم از داغے کہ دارم
بچشم کم مبیں تنہائیم را
کہ من صد کارواں گل در کنارم ۶۷
(ص ۱۲۲)

○

پریشانم چو گردِ رہ گذارے
کہ بر دوشِ ہوا گیرد قرارے
خوشا بختے و خرم روزگارے
کہ بیروں آید از من شہسوارے! ۶۸
(ص ۱۲۲)

○

خوش آں قومے پریشاں روزگارے
کہ زاید از ضمیرش پختہ کارے
نمودش سرّے از اسرارِ غیب است
ز ہر گردے بروں ناید سوارے! ۶۹
(ص ۱۲۳)

○

بہ بحرِ خویش چوں موجے تپیدم
تپیدم تا بطوفانے رسیدم
دگر رنگے ازیں خوشتر ندیدم
بخونِ خویش تصویرش کشیدم! ۷۰
(ص ۱۲۳)

○

نگاہش پُر کند خالی سبو ہا   دواند مے بتاکِ آرزو ہا
ز طوفانے کہ بخشد رائگانی   حریفِ بحر گردد آبجو ہا! ۱؎
(ص۱۲۴)

○

چو برگیرد زمامِ کارواں را   دہد ذوقِ تجلی ہر نہاں را
کند افلاکیاں را آنچناں فاش   تہِ پا می کشد نُہ آسماں را ۲؎
(ص۱۲۴)

○

مبارکباد کن آں پاک جاں را   کہ زاید آں امیرِ کارواں را
ز آغوشِ چنیں فرخندہ مادر   خجالت می دہم حورِ جناں را! ۳؎
(ص۱۲۵)

○

دل اندر سینہ گوید دلبرے ہست   متاعے آفریں غارتگرے ہست
بگوشم آمد از گردوں دمِ مرگ   شگوفہ چوں فرو ریزد برے ہست ۴؎
(ص۱۲۵)

۱۰

خلافت و ملوکیت

عرب خود را بہ نورِ مصطفیٰؐ سوخت   چراغِ مردۂ مشرق برافروخت
ولیکن آں خلافت راہ گم کرد   کہ اول مومناں را شاہی آموخت! ۵؎
(ص۱۲۶)

○

خلافت بر مقامِ ما گواہی است   حرام است آنچہ بر ما پادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ   خلافت حفظِ ناموسِ الٰہی است! ۶؎
(ص۱۲۶)

○

در افتد با ملوکیت کلیمے   فقیرے بے کلاہے بے گلیمے
گہے باشد کہ بازی ہائے تقدیر   بگیرد کارِ صرصر از نسیمے! ۷؎
(ص۱۲۷)

○

ہنوز اندر جہاں آدم غلام است   نظامش خام و کارش ناتمام است
غلامِ فقرِ آں گیتی پناہم   کہ در دینش ملوکیت حرام است ۸؎
(ص۱۲۷)

○

محبت از نگاہش پایدار است — سلوکش عشق و مستی را عیار است
مقامش عبدۂ آمد ولیکن — جہانِ شوق را پروردگار است ۷۹؎
(ص ۱۲۸)

۱۱
ترکِ عثمانی

بملکِ خویش عثمانی امیر است — دلش آگاہ و چشمِ او بصیر است
نہ پنداری کہ رست از بندِ افرنگ — ہنوز اندر طلسمِ او اسیر است ۸۰؎
(ص ۱۲۸)

○

خنک مرداں کہ سحرِ او شکستند — بہ پیمانِ فرنگی دل نہ بستند
مشو نومید و با خود آشنا باش — کہ مرداں پیش ازیں بودند و ہستند ۸۱؎
(ص ۱۲۹)

○

بہ تُرکاں آرزوئے تازہ دادند — بنائے کارِ شاں دیگر نہادند
ولیکن کو مسلمانے کہ بیند — نقاب از روئے تقدیرے کشادند ۸۲؎
(ص ۱۲۹)

۱۲
دخترانِ ملت

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا — مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمالِ غازہ پرورد — بیاموز از نگہ غارت گری ہا ۸۳؎
(ص ۱۳۰)

○

نگاہِ تست شمشیرِ خداداد — بزخمش جانِ ما را حق بما داد
دلِ کامل عیار آں پاک جاں برد — کہ تیغِ خویش را آب از حیا داد ۸۴؎
(ص ۱۳۰)

○

ضمیرِ عصرِ حاضر بے نقاب است — کشادش در نمودِ رنگ و آب است
جہانتابی ز نورِ حق بیاموز — کہ او با صد تجلی در حجاب است ۸۵؎
(ص ۱۳۱)

○

جہاں را محکمی از امہات است
نہادِ شاں امینِ ممکنات است
اگر ایں نکتہ را قومے نداند
نظامِ کاروبارش بے ثبات است ۸۶؎
(ص ۱۳۱)

○

مرا داد ایں خرد پرور جنونے
نگاہِ مادرِ پاکِ اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن
کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے! ۸۷؎
(ص ۱۳۲)

○

خنک آں ملتے کز وارداتش
قیامت ہا بہ بیند کائناتش
چہ پیش آید، چہ پیش افتاد او را
تواں دید از جبینِ امہاتش ۸۸؎
(ص ۱۳۲)

○

اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوشِ شبیرے بگیری ۸۹؎
(ص ۱۳۳)

○

ز شامِ ما بروں آور سحر را
بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را
تو میدانی کہ سوزِ قرأتِ تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را ۹۰؎
(ص ۱۳۳)

۱۳

عصرِ حاضر

چہ عصر است ایں کہ دیں فریادیِ اوست
ہزاراں بند در آزادیِ اوست
ز روئے آدمیت رنگ و نم برد
غلط نقشے کہ از بہزادیِ اوست ۹۱
(ص ۱۳۴)

○

نگاہش نقشبندِ کافری ہا
کمالِ صنعتِ او آذری ہا
حذر از حلقۂ بازارگانش
قمار است ایں ہمہ سوداگری ہا! ۹۲
(ص ۱۳۴)

○

جوانان را بد آموز است این عصر   شب ابلیس را روز است این عصر
به دامانش مثال شعله پیچم   که بے نور است و بے سوز است این عصر! ۹۳

(ص ۱۳۵)

○

مسلمان فقر و سلطانی بهم کرد   ضمیرش باقی و فانی بهم کرد
ولیکن الامان از عصر حاضر   که سلطانی به شیطانی بهم کرد ۹۴

(ص ۱۳۵)

○

چه گویم رقص تو چون است و چون نیست   حشیش است! این نشاط اندرون نیست!
به تقلید فرنگی پائے کوبی   به رگهائے تو آن طغیانِ خون نیست! ۹۵

(ص ۱۳۶)

۱۴

برہمن

دل صد فتنه را بر خود کشادی   دو گامے رفتی و از پا فتادی
برہمن از بتان طاقِ خود آراست   تو قرآن را سر طاقے نہادی! ۹۶

(ص ۱۳۶)

○

برہمن را نگویم ہیچ کاره   کند سنگِ گران را پاره پاره
نباید جز به زورِ دست و بازو   خدائے را تراشیدن ز خاره! ۹۷

(ص ۱۳۷)

○

نگہ دارد برہمن کارِ خود را   نمی گوید به کس اسرارِ خود را
بمن گوید که از تسبیح بگذر   بدوشِ خود برد زنارِ خود را! ۹۸

(ص ۱۳۷)

○

برہمن گفت برخیز از درِ غیر   ز یارانِ وطن ناید به جز خیر!
بیک مسجد دو ملا می نگنجد   ز افسونِ بتاں گنجد بیک دیر! ۹۹

(ص ۱۳۸)

۱۵
تعلیم

تب و تابے کہ باشد جاودانہ   سمندِ زندگی را تازیانہ
بہ فرزنداں بیاموز ایں تب و تاب   کتاب و مکتب افسون و فسانہ! ۱۰۰؎
(ص۱۳۸)

○

ز علم چارہ سازے بے گدازے   بسے خوشتر نگاہِ پاک بازے
نکو تر از نگاہِ پاک بازے   دلے از ہر دو عالم بے نیازے ۱۰۱؎
(ص۱۳۹)

○

بہ آں مومن خدا کارے ندارد   کہ در تن جانِ بیدارے ندارد
ازاں از مکتبِ یاراں گریزم   جوانے خود نگہدارے ندارد ۱۰۲؎
(ص۱۳۹)

○

ز من گیر ایں کہ مردے کور چشمے   ز بینائے غلط بینے نکو تر
ز من گیر ایں کہ نادانے نکو کیش   ز دانشمندِ بے دینے نکو تر! ۱۰۳؎
(ص۱۴۰)

○

ازاں فکرِ فلک پیما چہ حاصل   کہ گردِ ثابت و سیارہ گردد
مثالِ پارۂ ابرے کہ از باد   بہ پہنائے فضا آوارہ گردد ۱۰۴؎
(ص۱۴۰)

○

ادب پیرایۂ نادان و داناست   خوش آں کو از ادب خود را بیاراست
ندارم آں مسلماں زادہ را دوست   کہ در دانش فزود و در ادب کاست! ۱۰۵؎
(ص۱۴۱)

○

ترا نومیدی از طفلاں روا نیست   چہ پروا گر دماغِ شاں رسا نیست
بگو اے شیخِ مکتب گر بدانی   کہ دل در سینۂ شاں ہست یا نیست! ۱۰۶؎
(ص۱۴۱)

○

بہ پورِ خویش دین و دانش آموز   کہ تابد چوں مہ و انجم نگینش
بدستِ او اگر دادی ہنر را   یدِ بیضا است اندر آستینش! ۱۰۷؎
(ص۱۴۲)

○

نوا از سینۂ مرغِ چمن برد   ز خونِ لالہ آں سوزِ کہن برد
بایں مکتب بایں دانش چہ نازی   کہ ناں در کف نداد و جاں ز تن برد ۱۰۸
(ص ۱۴۲)

○

خدایا وقتِ آں درویش خوش باد   کہ دلہا از دمش چوں غنچہ بکشاد
بہ طفلِ مکتبِ ما ایں دعا گفت   پئے نانے بہ بندِ کس میفتاد ۱۰۹
(ص ۱۴۳)

○

کسے کو لا الٰہ را در گرہ بست   ز بندِ مکتب و ملا بروں جست
بآں دین و بہ آں دانش مپرداز   کہ از ما می برد چشم و دل و دست ۱۱۰
(ص ۱۴۳)

○

چو می بینی کہ رہزن کارواں گشت   چہ پرسی کاروانے را چساں کشت
مباش ایمن ازاں علمے کہ خوانی   کہ از وے روحِ قومے میتواں کشت ۱۱۱
(ص ۱۴۴)

○

جوانے خوش گلے رنگیں کلاہے   نگاہِ او چو شیراں بے پناہے
بہ مکتب علمِ میشی را بیاموخت   میسر نایدش برگِ گیاہے ۱۱۲
(ص ۱۴۴)

○

شتر را بچۂ او گفت در دشت   نمی بینم خدائے چار سو را
پدر گفت اے پسر چوں پا بہ لغزد   شتر ہم خویش را بیند ہم او را ۱۱۳
(ص ۱۴۵)

۱۶

تلاشِ رزق

پریدن از سرِ بامے بہ بامے   نہ بخشد جرہ بازاں را مقامے
ز نخچیرے کہ جز مشتِ پرے نیست   ہماں بہتر کہ میری در کنامے ۱۱۴
(ص ۱۴۵)

○

نگر خود را بچشمِ محرمانہ   نگاہِ ماست ما را تازیانہ
تلاشِ رزق ازاں دادند ما را   کہ باشد پر کشودن را بہانہ ۱۱۵
(ص ۱۴۶)

۱۷

نہنگ با بچۂ خویش

نهنگے بچهٔ خود را چه خوش گفت　　به دینِ ما حرام آمد کرانه
به موج آویز و از ساحل بپرهیز　　همه دریاست ما را آشیانه۱۶؎
(ص۱۴۶)

○

تو در دریا نهٔ او در برِ تست　　به طوفاں درفتادن جوهرِ تست
چو یک دم از تلاطم ہا بیاسود　　همیں دریائے تو غارتگرِ تست! ۱۷؎
(ص۱۴۷)

۱۸

خاتمہ

نه از ساقی نه از پیمانه گفتم　　حدیثِ عشق بیباکانه گفتم
شنیدم آنچه از پاکانِ امّت　　ترا با شوخیِ رندانه گفتم۱۸؎
(ص۱۴۷)

○

بخود باز آ و دامانِ دلے گیر　　درونِ سینهٔ خود منزلے گیر
بده ایں کشت را خونابهٔ خویش　　فشاندم دانه من تو حاصلے گیر! ۱۹؎
(ص۱۴۸)

○

حرم جز قبلهٔ قلب و نظر نیست　　طوافِ او طوافِ بام و در نیست
میانِ ما و بیت الله رمزیست　　که جبریلِ امیں را هم خبر نیست! ۲۰؎
(ص۱۴۸)

حواشی:

۱؎ بیاض، ص:۹

۲؎ بیاض، ص:۳۸

۳؎ ایضاً

۴؎ ایضاً

۵ تخف: تلمیح بآیہ قرآنی، لَاتَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی (الف)۔ (ر۔ک) طبع اول، ص:۹۱۔ بیاض میں اس دوبیتی کے مصرع چہارم پر یہ مختصر حاشیہ ہے: 'لا تخف۔ (قرآن)'۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۴۸۔ یہ حاشیہ نسخۂ اکادمی میں نہیں ہے۔ (ر۔ک) اکادمی، ص:۶۰۔ جبکہ بیاض میں تو تیسرے مصرعے پر بھی حاشیہ دیا گیا ہے جو کسی مطبوعہ نسخے میں نہیں۔ حاشیہ یہ ہے: 'لاشرقیہ و لاغربیہ (قرآن)'

۶ بیاض، ص:۴۸

۷ ایضاً

۸ بیاض میں اقبال نے اس دوبیتی کے دوسرے مصرعے میں لفظ 'دریا' کو کاٹ دیا ہے اور متبادل کے طور پر کوئی لفظ نہیں لکھا چنانچہ مطبوعہ میں 'دریا' ہی نقل ہے۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۴۸

۹ بیاض میں یہ دوبیتی اس صفحے پر دوبار درج ہے۔ پہلی مرتبہ اقبال نے اسے رد کر دیا اور اس مسترد دوبیتی کے مصرع اول میں 'کشودم' کے بجائے 'کشایم' لکھا گیا لیکن بعد میں علامہ نے اسے کاٹ دیا۔ (ر۔ک)، بیاض، ص:۴۸

۱۰ بیاض، ص:۴۸

۱۱ بیاض، ص:۳۱

۱۲ بیاض، ص:۴۲

۱۳ بیاض، ص:۴۸

۱۴ بیاض، ص:۳۳

۱۵ بیاض، ص:۳۱

۱۶ بیاض، ص:۴۳

۱۷ ایضاً

۱۸ ایضاً

۱۹ 'خواب'۔ تلمیح بآیہ قرآنی: لَاتَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ 'خستگی' تلمیح بآیہ قرآنی: وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (الف)۔ (ر۔ک) طبع اول، ص ۹۸۔ بیاض میں ''تلمیح بآیہ قرآنی'' کے الفاظ موجود نہیں۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۴۳

۲۰ بیاض: ندارد

۲۱۔ اقبال نے بیاض میں اس دوبیتی کو قلمزد کر دیا ہے۔(ر۔ک)، بیاض، ص:۴۳

۲۲۔ بیاض میں پہلا مصرع یہ ہے: بباغاں عندلیبِ خوش صفیرے (ر۔ک) بیاض، ص:۴۳

۲۳۔ بیاض، ص:۴۳

۲۴۔ بیاض، ص:۳۲

۲۵۔ بیاض، ص:۳۹

۲۶۔ بیاض، ص:۴۵

۲۷۔ بیاض، ص:۵۶

۲۸۔ بیاض، ص:۳۹

۲۹۔ بیاض میں اس دوبیتی کا دوسرا مصرع مختلف ہے: از دوخوشتر حدیثے کافرے گفت۔(ر۔ک) بیاض، ص:۴۷

۳۰۔ بیاض، ص:۹

۳۱۔ اقبال نے بیاض میں اس دوبیتی کو مسترد کر دیا ہے لیکن یہ مطبوعہ نسخوں میں موجود ہے۔ دوبیتی کی یہ مطبوعہ صورت ترمیم شدہ ہے۔ پہلی شکل میں یہ دوبیتی اس طرح تھی:

شنیدم با مریدے پیر کے گفت — ترا ایں نکتہ باید حرزِ جاں کرد

ہمر ودانِ ایں دور آشنا شو — ز فیضِ شاں براہی تواں کرد!

(ر۔ک) بیاض، ص:۵۰

۳۲۔ بیاض، ص:۳۱

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ بیاض، ص:۳۵

۳۷۔ بیاض میں مصرع چہارم مختلف ہے: کہ با سن ماہ و انجم راز کردند (ر۔ک) بیاض، ص:۳۵

۳۸۔ بیاض، ص:۳۶

۳۹۔ بیاض، ص:۳۳

۴۰۔ بیاض میں اس دوبیتی کا مصرع چہارم مختلف ہے: سرودے از سرودِ کبریائی ا۔(ر۔ک) بیاض، ص:۴۷

۴۱؎ بیاض، ص:۱۰

۴۲؎ بیاض میں اس دوبیتی کا مصرع چہارم یوں ہے: کہ در خود فقر و سلطانی بیامیز! (ر۔ک)
بیاض، ص:۳۶

۴۳؎ بیاض میں اس دوبیتی کا تیسرا مصرع یہ ہے: جہاں بخشا امد و از دست آں فقر (ر۔ک)
بیاض، ص:۳۶

۴۴؎ بیاض، ص:۳۶

۴۵؎ دراں کوشش......الخ، حضرت امیر خسروؒ کا شعر ہے (الف)۔ (ر۔ک) طبع اول، ص:۱۱۱۔
بیاض، ص:۳۶۔ یہ دوبیتی بیاض میں صفحہ ۳۴ پر بھی ہے لیکن وہاں علامہ نے اسے رد کیا ہے۔

۴۶؎ بیاض، ص:۳۶۔ یہ دوبیتی بیاض میں صفحہ ۳۲ پر بھی ہے لیکن یہاں اقبال نے اسے منسوخ کر دیا۔
بیاض، ص:۳۲

۴۷؎ بیاض، ص:۳۶۔ بیاض میں یہ دوبیتی مسترد صورت میں صفحہ ۳۵ پر بھی موجود ہے۔

۴۸؎ بیاض، ص:۳۶

۴۹؎ ایضاً

۵۰؎ بیاض: ندارد

۵۱؎ بیاض، ص:۳۷

۵۲؎ ایضاً

۵۳؎ ایضاً

۵۴؎ ایضاً

۵۵؎ ایضاً

۵۶؎ ایضاً

۵۷؎ ایضاً

۵۸؎ ایضاً

۵۹؎ ایضاً

۶۰؎ اقبال نے بیاض میں اس دوبیتی کو 'حضور رسالت' کی ذیل میں رکھا تاہم بعد میں 'حضور ملت' کے حصے میں شامل کر دیا۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۳۸

۶۱ یہ دو بیتی بیاض میں صفحہ ۳۹ پر تکرار کے ساتھ آئی ہے جن میں سے ایک صورت قلمزد ہے۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۳۹

۶۲ بیاض، ص:۳۷

۶۳ ایضاً

۶۴ ایضاً

۶۵ بیاض، ص:۳۸

۶۶ ایضاً

۶۷ ایضاً

۶۸ ایضاً

۶۹ بیاض، ص:۳۸۔ بیاض میں یہ دو بیتی خط زدہ صورت میں صفحہ ۳۰ پر بھی ہے۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۳۰

۷۰ بیاض، ص:۳۸

۷۱ ایضاً

۷۲ بیاض: ندارد

۷۳ بیاض، ص:۳۸

۷۴ شگوفہ چوں...... الخ۔ یہ مصرع غالباً لطف اللہ آذر کا ہے۔ (الف) (ر۔ک) طبع اول، ص:۱۲۵۔ بیاض میں حاشیہ فقط اس قدر ہے: 'لطف اللہ آذر'۔ نیز اقبال نے اس دو بیتی کے مصرع سوم کو دوبار لکھا ہے۔ اولاً لطف اللہ آذر کا شعر مکمل تضمین ہوا تھا۔ یعنی مکمل دو بیتی اپنی پہلی صورت میں یہ تھی:

دل اندر سینہ گوید دلبرے ہست　　متاعِ آفریں غارتگرے ہست
مشو غافل کہ از خوش خوشترے ہست　　شگوفہ چوں فرو ریزد برے ہست

(ر۔ک) بیاض، ص:۳۸۔ نسخۂ اکادمی میں پاورقی کا اہتمام نہیں (ر۔ک) اکادمی، ص:۴۳-۷

۷۵ بیاض، ص:۵۱۔ بیاض میں یہ دو بیتی صفحہ ۳۹ پر قلمزد شکل میں موجود ہے۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۳۹

۷۶ بیاض، ص:۵۱

۷۷ ایضاً

۷۸ بیاض، ص:۴۸

۷۹ ایضاً
۸۰ بیاض، ص:۳۶
۸۱ ایضاً
۸۲ بیاض، ص:۳۰
۸۳ بیاض، ص:۳۹
۸۴ ایضاً
۸۵ ایضاً
۸۶ ایضاً
۸۷ ایضاً
۸۸ ایضاً
۸۹ بیاض، ص:۴۰
۹۰ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے (الف) (ر۔ک) طبع اول، ص:۱۳۳۔ بیاض میں یہ حاشیہ نہیں ہے۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۴۰، نسخۂ اکادمی میں بھی التزام نہیں۔ (ر۔ک) اکادمی ص:۸۷
۹۱ بیاض، ص:۲۷
۹۲ ایضاً
۹۳ بیاض، ص:۳۳
۹۴ بیاض، ص:۳۳
۹۵ اولاً بیاض میں ترتیب کے اعتبار سے اس دوبیتی کا دوسرا مصرع چوتھا اور چوتھا مصرع دوسرا تھا۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۴۷
۹۶ بیاض، ص:۳۶
۹۷ بیاض، ص:۳۱
۹۸ اس دوبیتی کے آخری مصرعے کی یہ شکل بیاض میں نظر نہیں آتی، اس کے بجائے یہ صورت ہے: 'کند زیب کمر زنار خود را'۔ نیز اس کے ابتدائی حصے 'کند زیب کمر' پر دایرہ کھینچا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ زبانی لکھواتے ہوئے اسے تبدیل کر دیا ہو۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۵۳
۹۹ بیاض، ص:۹

۱۰۰؎ بیاض، ص:۵۰

۱۰۱؎ بیاض، ص:۲۸

۱۰۲؎ بیاض، ص:۲۹

۱۰۳؎ بیاض، ص:۳۱

۱۰۴؎ ایضاً

۱۰۵؎ بیاض، ص:۳۳

۱۰۶؎ بیاض، ص:۳۳

۱۰۷؎ بیاض، ص:۳۷

۱۰۸؎ بیاض، ص:۴۰

۱۰۹؎ بیاض، ص:۴۱

۱۱۰؎ بیاض، ص:۴۲

۱۱۱؎ بیاض، ص:۴۳

۱۱۲؎ بیاض میں یہ دو بیتی اوّلاً 'حضور رسالت' کے تحت مرقوم تھی۔(ر۔ک) بیاض، ص:۴۵

۱۱۳؎ شتر را۔۔۔الخ، تلمیح ہے عربی ضرب المثل کی طرف: الجمل لا یعرف الحق الا عند الرّق۔ یعنی اونٹ خدا کو نہیں پہچانتا جب تک کہ اس کا پاؤں نہ پھسلے (الف) (ر۔ک) طبع اول، ص:۱۳۵۔ بیاض میں یہ دو بیتی منقول نہیں اور نسخۂ اکادمی میں مصرع اول پر حاشیہ نہیں دیا گیا ہے۔(ر۔ک) اکادمی، ص:۸۳

۱۱۴؎ کنام، باز کا گھونسلا (الف)۔(ر۔ک) طبع اول، ص:۱۳۵۔ بیاض میں حاشیہ نہیں۔ نسخۂ اکادمی میں بھی نہیں (ر۔ک) بیاض، ص:۴۳

۱۱۵؎ بیاض، ص:۴۳

۱۱۶؎ بیاض، ص:۳۸

۱۱۷؎ ایضاً

۱۱۸؎ بیاض، ص:۳۹

۱۱۹؎ ایضاً

۱۲۰؎ ایضاً

حضورِ عالمِ انسانی

آدمیت احترامِ آدمی با خبر شو از مقامِ آدمی!

جاوید نامہ

(ص۱۴۹)

حضورِ عالمِ انسانی

تمہید

۱

بیا ساقی بیار آں کہنہ مے را — جوانِ فرودیں کن پیرِ دے را
نوائے دہ کہ از فیضِ دمِ خویش — چو مشعل بر فروزم چوبِ نے را۲
(ص ۱۵۱)

o

یکے از حجرۂ خلوت بروں آئے — بہادِ صبحگاہی سینہ بکشائے
خروشِ ایں مقامِ رنگ و بو را — بقدرِ نالۂ مرغے بیفزائے۳
(ص ۱۵۲)

۲

زمانہ فتنہ ہا آورد و بگذشت — خساں را در بغل پرورد و بگذشت
دو صد بغداد را چنگیزیِ او — چو گورِ تیرہ بختاں کرد و بگذشت!۴
(ص ۱۵۲)

o

بساکس اندہِ فردا کشیدند — کہ دی مردند و فردا را ندیدند!
خنک مرداں کہ در دامانِ امروز — ہزاراں تازہ تر ہنگامہ چیدند!۵
(ص ۱۵۳)

۳

چو بلبل نالۂ زارے نداری — کہ در تن جانِ بیدارے نداری
دریں گلشن کہ گلچینی حلال است — تو زخمے از سرِ خارے نداری!۶
(ص ۱۵۳)

o

بیا بر خویش پیچیدن بیاموز — بناخن سینہ کاویدن بیاموز
اگر خواہی خدا را فاش بینی — خودی را فاش تر دیدن بیاموز ۷

(ص۱۵۴)

○

گلہ از سختیٔ ایام بگذار — کہ تیغ ناکشیدہ کم عیار است
نمی دانی کہ آبِ جوئباراں — اگر بر سنگ غلطد خوشگوار است ۸

(ص۱۵۴)

○

کبوتر بچۂ خود را چہ خوش گفت — کہ نتواں زیست با خوئے حریری
اگر 'یاھُو' زنی از مستیٔ شوق — کلہ را از سرِ شاہیں بگیری ۹

(ص۱۵۵)

○

قلندری از مقامِ کبریائی — حضورِ دوں نہاداں چہرہ سائی
تو شاہینی ولیکن خویشتن را — نگیری تا بہ دامِ خود نیائی! ۱۰

(ص۱۵۵)

○

خوشا روزے کہ خود را باز گیری — ہمیں فقر است کو بخشد امیری
حیاتِ جاوداں اندر یقین است — رہِ تخمین و ظن گیری، بمیری! ۱۱

(ص۱۵۶)

○

تو ہم مثلِ من از خود در حجابی — خنک روزے کہ خود را بازیابی
مرا کافر کند اندیشۂ رزق — ترا کافر کند علمِ کتابی ۱۲

(ص۱۵۶)

○

چہ خوش گفت اشترے با کرّۂ خویش — خنک آں کس کہ داند کارِ خود را
بگیر از ما کہن صحرا نورداں — بہ پشتِ خویش بردن بارِ خود را ۱۳

(ص۱۵۷)

۴

مرا یاد است از دانائے افرنگ — بسا رازے کہ از بود و عدم گفت
ولیکن با تو گویم ایں دو حرفے — کہ با من پیرِ مردے از عجم گفت ۱۴

(ص۱۵۷)

○

الا اے کشتۂ نامحرمے چند
خریدی از پے یک دل غمے چند
ز تاویلاتِ ملایاں نکو تر
نشستن با خود آگاہے دمے چند ۱۵
(ص ۱۵۸)

۵

وجود است ایں کہ بینی یا نمود است
حکیمِ ما چہ مشکلہا کشود است
کتابے بر فنِ غواص بنوشت
ولیکن در دلِ دریا نبود است ۱۶
(ص ۱۵۸)

○

بہ ضربِ تیشہ بشکن بیستوں را
کہ فرصت اندک و گردوں دو رنگ است
حکیماں را دریں اندیشہ بگذار
شرر از تیشہ خیزد یا ز سنگ است! ۱۷
(ص ۱۵۹)

○

منہ از کف چراغِ آرزو را
بدست آور مقامِ ہا و ہو را
مشو در چارسوئے ایں جہاں گم
بخود باز آ و بشکن چار سو را ۱۸
(ص ۱۵۹)

○

دلِ دریا سکوں بیگانہ از تست
بہ جیبش گوہرِ یک دانہ از تست
تو اے موجِ اضطرابِ خود نگہدار
کہ دریا را متاعِ خانہ از تست ۱۹
(ص ۱۶۰)

○

دو گیتی را بہ خود باید کشیدن
نباید از حضورِ خود رمیدن
بہ نورِ دوش بیں امروزِ خود را
ز دوش امروز را نتواں ربودن ۲۰
(ص ۱۶۰)

○

بما اے لالہ خود را وانمودی
نقاب از چہرۂ زیبا کشودی
ترا چوں بردمیدی لالہ گفتند
بشاخ اندر چساں بودی؟ چہ بودی؟ ۲۱
(ص ۱۶۱)

۶

نگرید مرد از رنج و غم و درد
ز دوراں کم نشیند بر دلش گرد
قیاس او را مکن از گریۂ خویش
کہ ہست از سوز و مستی گریۂ مرد! ۲۲
(ص ۱۶۱)

○

نہ پنداری کہ مرد امتحاں مُرد
نمیرد گرچہ زیر آسماں مُرد
ترا شایاں چنیں مرگ است ورنہ
ز ہر مرگے کہ خواہی می تواں مُرد! ۲۳
(ص۱۶۲)

○

اگر خاکِ تو از جاں محرمے نیست
بشاخ تو ہم از نیساں نمے نیست
ز غم آزاد شو، دم را نگہ دار
کہ اندر سینۂ پُردم غمے نیست! ۲۴
(ص۱۶۲)

○

پریشاں ہر دمِ ما از غمے چند
شریکِ ہر غمے نامحرمے چند
ولیکن طرح فردائے تواں ریخت
اگر دانی بہائے ایں دمے چند! ۲۵
(ص۱۶۳)

○

جوانمردے کہ دل با خویشتن بست
رود در بحر و دریا ایمن از شست
نگہ را جلوہ مستی با حلال است
ولے باید نگہ داری دل و دست! ۲۶
(ص۱۶۳)

○

ازاں غم با دلِ ما درد مند است
کہ اصلِ او ازیں خاکِ نژند است
من و تو زاں غمِ شیریں ندانیم
کہ اصلِ او ز افکارِ بلند است ۲۷
(ص۱۶۴)

○

مگو با من خدائے ما چنیں کرد
کہ شستن میتواں از دامنش گرد
تہ و بالا کن ایں عالم کہ در وے
قمارے می برد نامرد از مرد! ۲۸
(ص۱۶۴)

○

بروں کن کینہ را از سینۂ خویش
کہ دود خانہ از روزن بروں بہ
ز کشتِ دل مدہ کس را خراجے
مشو اے دہ خدا غارت گرِ دہ ۲۹
(ص۱۶۵)

○

سحر ہا در گریبانِ شبِ اوست
دو گیتی را فروغ از کوکبِ اوست
نشانِ مردِ حق دیگر چہ گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست! ۳۰
(ص۱۶۵)

۷

بیادِ صبحدم شبنم بنالید ‏— کہ دارم از تو امید نگاہے
دلم افسردہ شد از صحبتِ گل ‏— چناں بگذر کہ ریزم بر گیاہے! ۳۱؎
(ص ۱۶۶)

۸

دل

دل آں بحر است کو ساحل نورزد ‏— نہنگ از ہیبتِ موجش بلرزد
ازاں سیلے کہ صدہا موں بگیرد ‏— فلک با یک حبابِ او نیرزد ۳۲؎
(ص ۱۶۶)

○

دلِ ما آتش و تن موجِ دودش ‏— تپیدہ دمبدم سازِ وجودش
بذکرِ نیم شب جمعیتِ او ‏— چو سیمابے کہ بندد چوبِ عودش ۳۳؎
(ص ۱۶۷)

○

زمانہ کارِ او را می برد پیش ‏— کہ مردِ خود نگہدار است درویش
ہمیں فقر است و سلطانی کہ دل را ‏— نگہ داری چو دریا گوہرِ خویش! ۳۴؎
(ص ۱۶۷)

○

نہ نیروئے خودی را آزمودے ‏— نہ بند از دست و پائے خود کشودے
خرد زنجیر بودے آدمی را ‏— اگر در سینۂ او دل نبودے! ۳۵؎
(ص ۱۶۸)

○

تو می گوئی کہ دل از خاک و خون است ‏— گرفتارِ طلسمِ کاف و نون است
دلِ ما گرچہ اندر سینۂ ماست ‏— ولیکن از جہانِ ما برون است ۳۶؎
(ص ۱۶۸)

○

جہانِ مہر و مہ زناریٔ اوست ‏— کشادِ ہر گرہ از زاریٔ اوست
بپائے دہ ز من ہندوستاں را ‏— غلام آزاد از بیداریٔ اوست! ۳۷؎
(ص ۱۶۹)

○

من و تو کشتِ یزداں، حاصل است ایں — عروسِ زندگی را محمل است ایں
غبارِ راہ شد دانائے اسرار — نہ پنداری کہ عقل است ایں، دل است ایں! ۳۸
(ص ۱۶۹)

○

گہے جویندۂ حسنِ غریبے — خطیبے! منبرِ او از صلیبے
گہے سلطانِ با خیل و سپاہے — ولے از دولتِ خود بے نصیبے! ۳۹
(ص ۱۷۰)

○

جہانِ دل جہانِ رنگ و بو نیست — درو پست و بلند و کاخ و کو نیست
زمین و آسمان و چار سو نیست — دریں عالم بجز اللہ ہو نیست! ۴۰
(ص ۱۷۰)

○

نگہ دید و خرد پیمانہ آورد — کہ پیماید جہانِ چار سُو را
بہ آشامے کہ دل کردند نامش — بخویش اندر کشید ایں رنگ و بو را! ۴۱
(ص ۱۷۱)

○

محبت چیست؟ تاثیرِ نگاہیست — چہ شیریں زخمے از تیرِ نگاہیست
بصیدِ دل روی؟ ترکش بینداز — کہ ایں نخچیر نخچیرِ نگاہیست ۴۲
(ص ۱۷۱)

۹

خودی

خودی روشن ز نورِ کبریائی است — رسائی ہائے او از نارسائی است
جدائی از مقاماتِ وصالش — وصالش از مقاماتِ جدائی است! ۴۳
(ص ۱۷۲)

○

چو قومے در گذشت از گفتگو ہا — ز خاکِ او بروید آرزو ہا
خودی از آرزو شمشیر گردد — دمِ او رنگ ہا بُرد ز بو ہا! ۴۴
(ص ۱۷۲)

○

خودی را از وجودِ حق وجودے — خودی را از نمودِ حق نمودے
نمیدانم کہ ایں تابندہ گوہر — کجا بودے اگر دریا نبودے! ۴۵
(ص ۱۷۳)

○

ولے چوں صحبتِ گِل می پذیرد — ہماندم لذتِ خوابش بگیرد
شود بیدار چوں "من" آفریند — چو "من" محکومِ تن گردد بمیرد ۴۶
(ص ۱۷۳)

○

وصالِ ما وصال اندر فراق است — کشودِ ایں گرہ غیر از نظر نیست
گہر گم گشتۂ آغوشِ دریا است — ولیکن آبِ بحر آبِ گہر نیست! ۴۷
(ص ۱۷۴)

○

کفِ خاکے کہ دارم از درِ اوست — گل و ریحانم از ابرِ ترِ اوست
نہ "من" را می شناسم من نہ "او" را — ولے دانم کہ "من" اندر برِ اوست ۴۸
(ص ۱۷۴)

۱۰

جبر واختیار

یقیں دانم کہ روزے حضرتِ او — ترازوے نہد ایں کاخ و کو را
ازاں ترسم کہ فردائے قیامت — نہ ما را سازگار آید نہ او را! ۴۹
(ص ۱۷۵)

○

بہ روما گفت با من راہبِ پیر — کہ دارم نکتۂ از من فراگیر
کند ہر قوم پیدا مرگِ خود را — ترا تقدیر و ما را گشت تدبیر! ۵۰
(ص ۱۷۵)

۱۱

موت

شنیدم مرگ با یزداں چنیں گفت — چہ بے نم چشمِ آں کز گِل بزاید
چو جانِ او بگیرم شرمسارم — ولے او را ز مردن عار ناید! ۵۱
(ص ۱۷۶)

○

ثباتش دہ کہ میرِ شش جہات است — بدستِ او زمامِ کائنات است!
نگردد شرمسار از خوارئ مرگ — کہ نامحرم ز ناموسِ حیات است! ۵۲
(ص ۱۷۶)

۱۲
بگو ابلیس را

بگو ابلیس را از من پیامے تپیدن تا کجا در زیرِ دامے
مرا ایں خاکدانے خوش نیاید کہ صبحش نیست جز تمہیدِ شامے ۵۳
(ص۱۷۷)

○

جہاں تا از عدم بیروں کشیدند ضمیرش سرد و بے ہنگامہ دیدند
بغیر از جانِ ما سوزے کجا بود ترا از آتشِ ما آفریدند ۵۴
(ص۱۷۷)

○

جدائی شوق را روشن بصر کرد جدائی شوق را جوئندہ تر کرد
نمیدانم کہ احوالِ تو چون است مرا ایں آب و گل از من خبر کرد ۵۵
(ص۱۷۸)

○

ترا از آستانِ خود براندند رجیم و کافر و طاغوت خواندند
من از صبحِ ازل در پیچ و تابم ازاں خارے کہ اندر دل نشاندند ۵۶
(ص۱۷۸)

○

تو می دانی صواب و ناصوابم نروید دانہ از کشتِ خرابم
نکردی سجدہ و از درد مندی بخود گیری گناہِ بے حسابم! ۵۷
(ص۱۷۹)

○

بیا تا نرد را شاہانہ بازیم جہانِ چار سو را در گدازیم
بافسونِ ہنر از برگِ کاہش بہشتے ایں سوے گردوں بسازیم ۵۸
(ص۱۷۹)

۱۳
ابلیسِ خاکی و ابلیسِ ناری

فسادِ عصرِ حاضر آشکار است سپہر از زشتیٔ او شرمسار است
اگر پیدا کنی ذوقِ نگاہے دو صد شیطاں ترا خدمتگذار است! ۵۹
(ص۱۸۰)

○

به هر کو رهزنانِ چشم و گوش اند — که در تاراج دل ها سخت کوش اند

گران قیمت متاعے با پشیزے! — گر این سودا گران ارزان فروش اند! ۶۰

(ص ۱۸۰)

○

چه شیطانے! خرامش واژگونے — کند چشم ترا کور از فسونے

من او را مرده شیطانے شمارم — که گیرد چون تو نخچیر زبونے! ۶۱

(ص ۱۸۱)

○

چه زهرابے که در پیمانهٔ اوست — کشد جان را و تن بیگانهٔ اوست

تو بینی حلقهٔ دامے که پیداست — نه آن دامے که اندر دانهٔ اوست! ۶۲

(ص ۱۸۱)

○

بشر تا از مقامِ خود فتاد است — بقدرِ تنگی او را گشاد است

گنه هم می شود بے لذت و سرد — اگر ابلیسِ تو خاکی نهاد است ۶۳

(ص ۱۸۲)

○

مشو نخچیرِ ابلیسانِ این عصر — خسان را غمزهٔ شان سازگار است

اصیلان را همان ابلیس خوشتر — که یزدان دیده و کامل عیار است! ۶۴

(ص ۱۸۲)

○

حریفِ ضربِ او مردِ تمام است — که آن آتش نسب والا مقام است

نه هر خاکی سزاوارِ نخِ اوست — که صیدِ لاغرے بروے حرام است ۶۵

(ص ۱۸۳)

○

ز فهم دون نهادان گرچه دور است — ولے این نکته را گفتن ضرور است

به این تو زاده ابلیسان نسازد — گنهگارے که طبعِ او غیور است! ۶۶

(ص ۱۸۳)

حواشی:

ل بیاض: بیت ندارد

ع بیاض میں اس دوبیتی کا تیسرا اور چوتھا مصرع مختلف ہے، اور بالترتیب صورت کچھ یوں ہے:

نوائے دہ کہ در تاریکی شب ___ دلم سوزد چو مشعل چوب نے را!! (ر۔ک) بیاض، ص: ۵۳

۳۔ بیاض، ص:۲۹

۴۔ بیاض، ص:۳۱

۵۔ اندوہ، مختلف ہے اندوہ کا۔ بساکس......الخ، یہ شعر امیر خسرو کا ہے (الف)۔ (ر۔ک) طبع اول، ص:۱۵۳۔ بیاض میں پاورقی عبارت مکمل طور پر موجود نہیں، صرف امیر خسروؒ کے نام کو دایرے میں رقم کیا گیا ہے۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۳۴

۶۔ بیاض، ص:۳۳

۷۔ بیاض: ندارد

۸۔ بیاض، ص:۳۱

۹۔ بیاض، ص:۳۳

۱۰۔ بیاض، ص:۳۳

۱۱۔ بیاض، ص:۳۶

۱۲۔ اس دوبیتی کا تیسرا اور چوتھا مصرع قدرے مختلف ہے۔ مصرع سوم کے آغاز میں 'تر' اور مصرع چہارم کے آغاز میں 'مرا' ہے جبکہ تمام چاپی نسخوں میں قضیہ بالعکس ہے۔ بیاض، ص:۳۱

۱۳۔ بیاض میں توضیحی حاشیہ دیا گیا ہے اور یوں ہے: 'گُرزہ، بچۂ اشتر' (ر۔ک) بیاض، ص:۵۱

۱۴۔ بیاض میں اس دوبیتی کا تیسرا مصرع مختلف ہے: 'ولیکن با تو گویم آں دو بیتے' (ر۔ک) بیاض، ص:۵۵

۱۵۔ بیاض، ص:۵۵۔ بیاض میں اس دوبیتی کا مصرع چہارم مختلف صورت میں یہ ہے: 'نشستن با مسلمانے دمے چند' علاوہ ازیں یہی دوبیتی بیاض میں صفحہ ۵۳ پر بھی ہے لیکن وہاں اقبال نے اسے قلمزد کردیا ہے البتہ دونوں دوبیتیوں کا متن یکساں ہی ہے۔

۱۶۔ بیاض، ص:۳۸

۱۷۔ اقبال نے بیاض میں دوبیتی کے مصرع چہارم کے آغاز میں 'شرر' کے بجاے 'شرار' لکھا ہے۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۳۵

۱۸۔ بیاض، ص:۵۳

۱۹۔ بیاض، ص:۴۲

۲۰۔ بیاض میں دوبیتی کے چوتھے مصرع کے آخر میں 'ربودن' کے بجاے 'بریدن' ہے۔ (ر۔ک) بیاض، ص:۴۲

۲۱ بیاض، ص:۵۳

۲۲ بیاض، ص:۱۰

۲۳ بیاض میں اس دوبیتی کے چوتھے مصرع کے آغاز میں 'ز ہر' کے بجائے 'بجز' ہے۔ (ر۔ک)
بیاض، ص:۱۰

۲۴ بیاض، ص:۵۰

۲۵ بیاض، ص:۵۱

۲۶ بیاض، ص:۳۰

۲۷ بیاض، ص:۹

۲۸ بیاض میں اس دوبیتی کا تیسرا مصرع یہ ہے: تہ و بالا کن آں عالم کہ در وے (ر۔ک)
بیاض، ص:۳۹

۲۹ بیاض، ص:۴۷

۳۰ بیاض، ص:۴۷

۳۱ بیاض، ص:۵۳

۳۲ بیاض، ص:۳۵

۳۳ بیاض میں اس دوبیتی کے تیسرے مصرے کے آخر میں 'او' کے بجائے 'اوست' ہے۔ (ر۔ک)
بیاض، ص:۳۵

۳۴ بیاض، ص:۳۵

۳۵ ایضاً

۳۶ بیاض، ص:۴۷

۳۷ ایضاً

۳۸ ایضاً

۳۹ ایضاً

۴۰ ایضاً

۴۱ بیاض، ص:۳۳

۴۲ بیاض میں اس دوبیتی کا تیسرا مصرع یوں ہے: بصید من روی؟ ترکش بینداز (ر۔ک)
بیاض، ص:۳۳

۴۳؎ بیاض،ص:۲۹

۴۴؎ بیاض،ص:۳۰

۴۵؎ بیاض،ص:۳۵

۴۶؎ بیاض،ص:۳۸

۴۷؎ بیاض،ص:۳۲

۴۸؎ بیاض،ص:۴۷

۴۹؎ بیاض،ص:۳۳

۵۰؎ بیاض،ص:۳۹

۵۱؎ بیاض،ص:۳۲

۵۲؎ ایضاً

۵۳؎ بیاض،ص:۳۵

۵۴؎ بیاض:ندارد

۵۵؎ بیاض،ص:۳۵

۵۶؎ ایضاً

۵۷؎ ایضاً

۵۸؎ ایضاً

۵۹؎ بیاض،ص:۳۶

۶۰؎ ایضاً

۶۱؎ ایضاً

۶۲؎ ایضاً

۶۳؎ ایضاً

۶۴؎ ایضاً

۶۵؎ ایضاً

۶۶؎ ایضاً

به یارانِ طریق

بیا تا کار این امت بسازیم ‌‌ ‌ قمار زندگی مردانه بازیم!
چنان نالیم اندر مسجد شهر ‌ ‌ که دل در سینهٔ ملا گدازیم! [۱]

(ص ۱۸۵)

بہ یارانِ طریق

۱

قلندر جرّہ بازِ آسمانہا — بہ بالِ او سبک گردد گرانہا
فضائے نیلگوں نخچیر گاہش — نگردد بگردِ آشیانہا! [۲]

(ص۱۸۷)

○

ز جانم نغمۂ اللہ ھو ریخت — چو گرد از رختِ ہستی چار سو ریخت
بگیر از دستِ من سازے کہ تارش — ز سوزِ زخمہ چوں اشکم فرو ریخت! [۳]

(ص۱۸۸)

○

چو اشک اندر دلِ فطرت تپیدم — تپیدم تا بچشمِ او رسیدم
درخشِ من ز مژگانش تواں دید — کہ من بر برگِ کاہے کم چکیدم! [۴]

(ص۱۸۸)

○

مرا از منطق آید بوئے خامی — دلیلِ او دلیلِ ناتمامی!
برویم بستہ در ہا را کشاید — دو بیت از پیرِ رومی یا ز جامی! [۵]

(ص۱۸۹)

○

بیا از من بگیر آں دیر سالہ — کہ بخشد روح با خاکِ پیالہ
اگر آبش دہی از شیشۂ من — قدِ آدم بروید شاخِ لالہ! [۶]

(ص۱۸۹)

○

بدستِ من ہماں دیرینہ چنگ است — درونش نالہ ہائے رنگ رنگ است
ولے بنوازمش با ناخنِ شیر — کہ او را تار از رگ ہائے سنگ است! [۷]

(ص۱۹۰)

○

بگو از من بہ پرویزانِ ایں عصر
ز خارے کو خلد در سینۂ من
نہ فرہادم کہ گیرم تیشہ در دست
دلِ صد بیستوں را می تواں خست ۸؎
(ص۱۹۰)

○

فقیرم ساز و سامانم نگاہیست
ز من گیر ایں کہ زاغ و رخمہ بہتر
بچشمِ کوہ و یاراں برگِ کاہیست
ازاں بازے کہ دست آموزِ شاہیست! ۹؎
(ص۱۹۱)

○

درِ دل را بروئے کس نہ بستم
نشیمن ساختم در سینۂ خویش
نہ از خویشاں نہ از یاراں گسستم
تہِ ایں چرخِ گرداں خوش نشستم! ۱۰؎
(ص۱۹۱)

○

دریں گلشن ندارم آب و جاہے
مرا گلچیں بد آموزِ چمن خواند
نسیمم نے قبائے نے کلاہے
کہ دادم چشمِ نرگس را نگاہے! ۱۱؎
(ص۱۹۲)

○

دو صد دانا دریں محفل سخن گفت
ولے با من بگو آں دیدہ ور کیست
سخن نازک تر از برگِ سمن گفت
کہ خارے دید و احوالِ چمن گفت! ۱۲؎
(ص۱۹۲)

○

ندانم نکتہ ہائے علم و فن را
میانِ کارواں سوز و سرودم
مقامے دیگرے دادم سخن را
سبک پَے کرد پیرانِ کہن را! ۱۳؎
(ص۱۹۳)

○

نہ پنداری کہ مرغِ صبح خوانم
مدہ از دست دامانم کہ یابی
بجز آہ و فغاں چیزے ندانم
کلیدِ باغ را در آشیانم! ۱۴؎
(ص۱۹۳)

○

بچشمِ من جہاں جز رہگذر نیست
گذشتم از ہجومِ خویش و پیوند
ہزاراں رہرو و یک ہمسفر نیست!
کہ از خویشاں کسے بیگانہ تر نیست ۱۵؎
(ص۱۹۴)

○

بایں نابود مندی بودن آموز
بہائے خویش را افزودن آموز
نہفت اندر محیطِ نغمۂ من
بطوفانم چو دُر آسودن آموز! ۱۶

(ص۱۹۴)

○

کہن پروردۂ ایں خاک دانم
و لے از منزلِ خود دل گرانم
دمیدم گرچہ از فیضِ نمِ او
زمیں را آسمانِ خود ندانم! ۱۷

(ص۱۹۵)

○

ندانی تا نہ باشی محرمِ مرد
کہ دلہا زندہ گردد از دمِ مرد
نگہدارد ز آہ و نالہ خود را
کہ خوددار است چوں مرداں غمِ مرد! ۱۸

(ص۱۹۵)

○

نگاہے آفریں، جاں در بدن بیں
بشاخاں نادمیدہ یاسمن بیں
وگرنہ خشتِ تیرے در کمانے
ہدف را با نگاہِ تیر زن بیں ۱۹

(ص۱۹۶)

○

خرد بیگانۂ ذوقِ یقین است
قمارِ علم و حکمت بد نشین است!
دو صد بو حامد و رازی نیرزد
بنادانے کہ چشمش راہ بیں است! ۲۰

(ص۱۹۶)

○

قماش و نقرہ و لعل و گہر چیست؟
غلامِ خوش گل و زرّیں کمر چیست؟
چو یزداں از دو گیتی بے نیاز ند
دگر سرمایۂ اہلِ ہنر چیست؟ ۲۱

(ص۱۹۷)

○

خودی را نشۂ من عینِ ہوش است
ازاں پیمانۂ من کم خروش است
مئے من گرچہ ناصاف است درکش
کہ ایں تہ جرعۂ خمہائے دوش است ۲۲

(ص۱۹۷)

○

ترا با خرقہ و عمامہ کارے
من از خود یافتم بوئے نگارے
ہمیں یک چوب نے سرمایۂ من
نہ چوبِ منبرے نے چوبِ دارے ۲۳

(ص۱۹۸)

○

چو دیدم جوہرِ آئینۂ خویش　　گرفتم خلوت اندر سینۂ خویش
ازیں دانشورانِ کور و بے ذوق　　رمیدم با غمِ دیرینۂ خویش! ۴۴
(ص ۱۹۸)

○

چو رختِ خویش بر بستم ازیں خاک　　ہمہ گفتند با ما آشنا بود!
ولیکن کس ندانست ایں مسافر　　چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بود! ۴۵
(ص ۱۹۹)

۲

اگر دانا دل و صافی ضمیر است　　فقیرے با تہی دستی امیر است
بدوشِ منعمِ بے دین و دانش　　قبائے نیست پالانِ حریر است! ۴۶
(ص ۱۹۹)

۳

بکوے آوری دارا و جم را　　مکن اے بے خبر رسوا حرم را
مبر پیشِ فرنگی حاجتِ خویش　　ز طاقِ دل فرو ریز ایں صنم را ۴۷
(ص ۲۰۰)

○

شنیدم نکتے از مردِ پیرے　　کہن فرزانۂ روشن ضمیرے
اگر خود را بناداری نگہ داشت　　دو گیتی را بگیرد آں فقیرے! ۴۸
(ص ۲۰۰)

○

نہاں اندر دو حرفے سرِّ کار است　　مقامِ عشق منبر نیست، دار است
براہیماں ز نمروداں نترسند　　کہ عودِ خام را آتش عیار است! ۴۹
(ص ۲۰۱)

○

بجو اے لالہ از کس غمگساری　　چو من خواہ از درونِ خویش یاری
ببر بادے کہ آید سینہ بکشائے　　نگہ دار آں کہن داغے کہ داری ۵۰
(ص ۲۰۱)

○

ز پیرے یاد دارم ایں دو اندرز　　نباید جز بجانِ خویشتن زیست
گریز از پیشِ آں مردِ فرو دست　　کہ جانِ خود گرو کرد و بہ تن زیست! ۵۱
(ص ۲۰۲)

○

بساحل گفت موجِ بیقرارے بزعونے کنم خود را عیارے
گہے بر خویش می پیچم چو مارے گہے رقصم بہ ذوقِ انتظارے! ۳۲
(ص ۲۰۲)

○

اگر ایں آب و جاہے از فرنگ است جبینِ خود منہ جز بر درِ او
سریں را ہم بہ چوبش دہ کہ آخر ہمے دارد بہ خر پالاں گرِ او! ۳۳
(ص ۲۰۳)

○

فرنگی را دلے زیرِ نگیں نیست متاعِ او ہمہ ملک است، دیں نیست
خداوندے کہ در طوفِ حریمش صد ابلیس است و یک روح الامیں نیست ۳۴
(ص ۲۰۳)

۴

من و تو از دل و دیں نا امیدیم چو بوئے گل ز اصلِ خود رمیدیم
دلِ ما مرد و دیں از مردنش مرد دو تا مرگے بیک سودا خریدیم! ۳۵
(ص ۲۰۴)

○

مسلمانے کہ داند رمزِ دیں را نساید پیشِ غیر اللہ جبیں را
اگر گردوں بہ کامِ او نہ گردد بکامِ خود بہ گرداند زمیں را! ۳۶
(ص ۲۰۴)

○

دلِ بیگانہ خو زیں خاکداں نیست شب و روزش ز دورِ آسماں نیست
تو خود وقتِ قیامِ خویش دریاب نماز عشق و مستی را اذاں نیست ۳۷
(ص ۲۰۵)

○

مقامِ شوق بے صدق و یقیں نیست یقیں بے صحبتِ روح الامیں نیست
گر از صدق و یقیں داری نصیبے قدم بیباک نہ، کس در کمیں نیست! ۳۸
(ص ۲۰۵)

○

مسلماں را ہمیں عرفان و ادراک کہ در خود فاش بیند رمزِ لولاک
خدا اندر قیاسِ ما نہ گنجد شناس آں را کہ گوید ما عرفناک ۳۹
(ص ۲۰۶)

○

به افرنگی بتاں خود را سپردی
چه نامردانه در بتخانه مُردی
خرد بیگانهٔ دل، سینه بے سوز
که از تاکِ نیاگاں مے نخوردی [۴۰]
(ص۲۰۶)

○

نه هر کس خودگر و هم خودگداز است
نه هر کس مستِ ناز اندر نیاز است
قبائے لا اله خونیں قبائے است
که بر بالائے نامرداں دراز است! [۴۱]
(ص۲۰۷)

○

بسوزد مومن از سوزِ وجودش
کشودِ هر چه بستند از کشودش
جلالِ کبریائی در قیامش
جمالِ بندگی اندر سجودش! [۴۲]
(ص۲۰۷)

○

چه پرسی از نمازِ عاشقانه
رکوعش چوں سجودش محرمانه
تب و تابِ یکے الله اکبر
نه گنجد در نمازِ پنجگانه! [۴۳]
(ص۲۰۸)

○

دو گیتی را صلا از قرأتِ اوست
مسلماں لایموت از رکعتِ اوست
نماند کشتهٔ ایں عصرِ بے سوز
قیامت ها که در قدّ قامتِ اوست [۴۴]
(ص۲۰۸)

۵

فرنگ آئینِ رزاقی بداند
بایں بخشد ازو وا می ستاند
به شیطاں آنچناں روزی رساند
که یزداں اندر آں حیراں بماند! [۴۵]
(ص۲۰۹)

○

چه حاجت طول دادن داستاں را
بحرفے گویم اسرارِ نهاں را
جهانِ خویش با سوداگراں داد
چه داند لامکاں قدرِ مکاں را!! [۴۶]
(ص۲۰۹)

○

بهشتے بهرِ پاکانِ حرم هست
بهشتے بهرِ اربابِ همم هست
بگو هندی مسلماں را که خوش باش
بهشتے فی سبیل الله هم هست! [۴۷]
(ص۲۱۰)

۶

قلندر میلِ تقریرے ندارد — بجز ایں نکتہ اکسیرے ندارد
ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیست — کہ آب از خونِ شبیرے ندارد[۱۸]
(ص ۲۱۰)

حواشی:

۱۔ بیاض، ص: ۵۵
۲۔ ایضاً
۳۔ بیاض، ص: ۲۹
۴۔ ایضاً
۵۔ بیاض، ص: ۳۰
۶۔ بیاض، ص: ۳۱
۷۔ ایضاً
۸۔ ایضاً
۹۔ دخ، پارسیوں کا مرگھٹ (الف) (ر۔ک) طبع اول، ص: ۱۹۱۔ بیاض میں حاشیہ نہیں۔ (ر۔ک) بیاض، ص: ۳۳۔ اور نسخۂ اکادمی میں بھی اہتمام نہیں کیا گیا۔ (ر۔ک) اکادمی، ص: ۱۰۷
۱۰۔ بیاض، ص: ۳۳
۱۱۔ بیاض، ص: ۳۴
۱۲۔ ایضاً
۱۳۔ بیاض، ص: ۴۴
۱۴۔ بیاض، ص: ۴۷
۱۵۔ بیاض، ص: ۵۱
۱۶۔ بیاض میں اس دوبیتی پر یہ حاشیہ بھی ہے: نابود مندی: ہیچ میرزی' (ر۔ک) بیاض، ص: ۵۵۔ لیکن تمام چھاپی نسخوں میں اس کا اہتمام نہیں کیا گیا۔
۱۷۔ بیاض، ص: ۵۶

۱۸ بیاض، ص:۴۴

۱۹ بیاض، ص:۴۰

۲۰ بیاض، ص:۵۵۔ جبکہ نسخۂ غلام علی میں مصرع چہارم میں 'بخشش' کے بجائے 'جشش' لکھا گیا ہے۔ (ر۔ک) غلام علی، ص:۱۳۷

۲۱ بیاض، ص:۳۹

۲۲ بیاض، ص:۴۸

۲۳ بیاض میں اس دوبیتی کے ساتھ 'سرورق' کا لفظ مرقوم ہے۔ ممکن ہے کہ علامہ اسے اپنے مجموعے کے آغاز میں نقل کرانا چاہتے ہوں۔

۲۴ بیاض، ص:۹

۲۵ بیاض میں اس دوبیتی کے ساتھ 'کتبۂ مزار خویش' کا اشارہ ملتا ہے۔ جبکہ مطبوعہ نسخوں میں یہ اہتمام نہیں (ر۔ک) بیاض، ص:۳۳

۲۶ بیاض، ص:۳۹

۲۷ بیاض، ص:۳۳

۲۸ بیاض، ص:۳۹

۲۹ بیاض، ص:۳۷

۳۰ ایضاً

۳۱ بیاض، ص:۳۸

۳۲ بیاض، ص:۳۱

۳۳ بیاض، ص:۳۹

۳۴ بیاض، ص:۹

۳۵ بیاض، ص:۳۱

۳۶ بیاض، ص:۳۳

۳۷ بیاض، ص:۴۰

۳۸ بیاض، ص:۴۸

۳۹ لولاک، تلمیح بحدیث لولاک لما خلقت الافلاک۔ ما عرفناک، ما عرفناک حق معرفتک (الف)

(ر۔ک) طبع اول، ص۲۰۶۔ بیاض میں دونوں حوالوں کے لیے محض 'جمیع' کا اشارہ ہے،
(ر۔ک) بیاض، ص:۳۳۔ نسخۂ اکادمی میں مصرع دوم اور چہارم سے متعلق یہ توضیحی حواشی نہیں دیے گئے۔ (ر۔ک) اکادمی، ص:۱۱۳

۴۰ بیاض میں اس دوبیتی کا تیسرا مصرع یہ ہے: خرد بیگانۂ دل سینہ تاریک (ر۔ک) بیاض، ص:۵۳۔ اور نسخۂ غلام علی میں بھی مصرع سوم مختلف صورت میں یہ ہے: خرد بیگانۂ دل، سینہ بے نور (ر۔ک) غلام علی، ص:۱۳۳

۴۱ بیاض، ص:۹

۴۲ بیاض، ص:۵۱

۴۳ بیاض، ص:۳۹

۴۴ صلا، دعوت۔ لایموت، زندہ جاوید (الف) (ر۔ک) طبع اول، ص۲۰۸، بیاض: ندارد، نسخۂ اکادمی: حاشیہ ندارد (ر۔ک) اکادمی: ص:۱۱۳

۴۵ بیاض میں اس دوبیتی کا پہلا مصرع دوسرا اور دوسرا مصرع، پہلا ہے۔ بیاض، ص:۴۷

۴۶ بیاض، ص:۳۳

۴۷ بیاض: ندارد

۴۸ بیاض، ص:۹

☆

۴۔ ترمیماتِ ارمغان حجاز، فارسی

علامہ اقبال تخلیقِ فن میں ریاضت و محنت کے قائل تھے اور معجزۂ فن کی نمود خونِ جگر صرف کرنے میں پنہاں گردانتے تھے۔ اپنی شعری کاوشوں کے سلسلے میں بھی انھوں نے ہر کہیں دقت نظر سے کام لیا اور اپنے کلام کے حسن و عذوبت اور مرتبے میں اضافہ کیا ہے۔ اقبالؒ کی خودنوشت بیاضوں میں کی گئی قطع و برید کا مطالعہ ان کی ایسی موثر کاوشوں کا احساس دلانے میں معاونت کرتا ہے۔ علامہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ شعر عطیۂ خداوندی ہونے کے ساتھ ساتھ ترمیمات و اصلاحات کا محتاج بھی ہوتا ہے۔ ان کی اہم سخن شناسوں اور ارباب علم و ادب سے فنی حوالے سے کی گئی مشاورت (مثلاً سید سلیمان ندوی کے نام مکاتیب) اس امر کی تائید کرتی ہے کہ وہ شعر پاروں پر غور و تفحص کرنے کے قائل تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اقبالؒ دوسروں کی بہم پہنچائی گئی اصلاحات کو من و عن قبول کرنے کے بجائے فن شاعری پر اپنے ذاتی و اجتہادی زاویۂ نظر کو مقدم رکھتے۔ چونکہ وہ غیر معمولی وسعت مطالعہ خصوصاً فارسی شاعری کے وسیع ذخیرے سے اکتساب کے باعث فن کی باریکیوں سے آشنا تھے اور اس سلسلے میں ان کی صلاحیت بہت زیادہ فطری اور تخلیقی تھی۔ چنانچہ اسی حیرت انگیز تخلیقی اُپج کی بدولت وہ اپنے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے کی صفت سے متصف بھی تھے۔ اقبال اپنے موزوں شدہ اشعار و مصاریع میں جہاں کہیں مناسب سمجھتے ایسے باکمال انداز سے کاٹ چھانٹ کرتے کہ تبدیل شدہ شعر پارہ ان کی شعری ریاضت، ذوق و ذہانت اور علمی وسعت پر دلالت کرنے لگتا۔ اقبالؒ کی خودنوشت بیاضوں میں ایسی زندہ اور روشن ترمیمات و اصلاحات جا بجا نظر آتی ہیں جن کا مطالعہ اس قادر الکلام شاعر کی تخلیقی ذہانت اور مشاقیِ سخن کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ ذوقِ شعری کی تہذیب بھی کرتا ہے۔

جیسا کہ بیاض اور مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ و موازنہ کے باب میں ذکر ہوا کہ اقبال کی خودنوشت بیاضوں کا مطالعہ ان کے تخلیقی و فنی سفر کی تفہیم کے لیے ضروری ہے، خصوصاً ارمغان حجاز

وہ مجموعہ ہے جسے اقبالؒ دیگر مجموعوں کی طرح اپنی نگرانی میں نہ چھپوا سکے ___ ارمغانِ حجاز میں اقبال کی ترمیمات و اصلاحات کا جائزہ لینے کے لیے اس کتاب کی بیاض کا مطبوعہ نسخوں سے تقابل نہایت اہم ٹھہرتا ہے تاکہ ذہن میں ابھرنے والے مختلف استفسارات کی تشفی ہو سکے۔ مثلاً اقبالؒ بعض اوقات ایک مصرعے میں تین تین چار چار بار ترمیم کرتے تھے، لہٰذا یہ اطمینان کرنا ضروری ہے کہ ارمغانِ حجاز کے مطبوعہ نسخوں میں ان کے کلام کی حتمی یا ترمیمی اشکال چھپیں یا سہواً ابتدائی متن ہی طبع ہوا اور اس طرح بعض نہایت عمدہ مصرعے شائع ہو کر پذیرائی حاصل نہ کر سکے۔ بیاض اور مطبوعہ دوبیتیوں کے تقابل سے اقبالؒ کی وہ دوبیتیاں بھی سامنے آ سکیں گی جنھیں اقبالؒ نے بیاض میں تو منسوخ کیا مگر وہ چھپیں اور وہ بھی جنھیں انھوں نے بیاض میں تو مسترد نہ کیا لیکن وہ شائع نہ ہو پائیں۔ اس تقابل کے نتیجے میں ارمغانِ حجاز میں بعض حواشی کا اضافہ بھی ممکن ہے۔ یوں نہ صرف اس مجموعے کا کلام مستند طور پر سامنے آ سکتا ہے بلکہ علامہ کی بہم پہنچائی گئی ترمیمات کا ان کے ابتدائی متن سے موازنہ و مقائسہ اقبال کی شعری و فنی کاوشوں سے متعارف کرانے میں بھی بہت اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

۵۶ صفحات پر مشتمل ارمغانِ حجاز کی بیاض کا جائزہ لیں تو حصہ فارسی میں 'حضورِ حق'، 'حضورِ رسالتؐ'، 'حضورِ ملت'، 'حضورِ عالم انسانی' اور 'بہ یارانِ طریق' کی دوبیتیوں میں بہت سے مقامات پر اس قدر ردوبدل کیا گیا ہے کہ پڑھنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔ یوں بھی ہوا ہے کہ ایک ہی دوبیتی دو تین بار رقم ہوئی ہے اور ہر مرتبہ نئے لطف سے ہمکنار کرتی ہے بلکہ بعض مقامات پر بیاض کے شعر اور مصرعے مطبوعہ کلام سے قدرے تفاوت بھی رکھتے ہیں۔ بنیادی طور پر ارمغانِ حجاز کی ترمیمات کی چار نوعیتیں یا صورتیں نظر آتی ہیں۔ پہلی نوعیت جزوی تبدیلی کی ہے جس کے تحت اقبالؒ نے مصاریع میں الفاظ و تراکیب کی حد تک ترمیم کی ہے اور ایسے مصرعے کثیر تعداد میں دکھائی دیتے ہیں، دوسری صورت کلی تبدیلی کی ہے جس میں انھوں نے کسی دوبیتی، شعر یا مصرعے کو مکمل طور پر بدل ڈالا ہے۔ ایسی ترمیمات کو اقبالؒ کے منسوخ کلام یا تنسیخات کے دائرے میں بھی رکھا جا سکتا ہے۔ بیاضِ مذکور میں ایسی ترمیمات کا تناسب جزوی ترمیموں سے کم ہے۔ تیسری طرح کی اصلاحات وہ ہیں جو ایک ہی مصرعے کی ایک سے زاید صورتوں سے متعارف کراتی ہیں اور اس ضمن میں علامہ کے ہاں بعض مصرعوں کی تو چار تک شکلیں ملتی ہیں۔ چوتھی نوعیت ادھوری یا نامکمل ترمیمات کی ہے جس کے تحت انھوں نے محض دو یا تین لفظ لکھ کر کاٹ

دیے ہیں اور مصرع نئے انداز سے شروع کردیا ہے۔ ذیل میں اس چوتھی صورت سے قطع نظر (کہ یہ محض ایک دو لفظوں پر مبنی ہیں) اقبال" کی ترمیمات کی جزوی، کلی اور ایک سے زائد صورتوں کو ارمغانِ حجاز کے مطبوعہ مصاریع کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس تقابل کے نتیجے میں علامہ کی ریاضتِ فنی اور قادر الکلامی کا اندازہ لگایا جاسکے۔ یہاں تاریخی اہمیت کے پیش نظر شائع شدہ مصرعے ارمغانِ حجاز کی اشاعتِ اول (نومبر ۱۹۳۸ء) مطبوعہ شیخ اشرف پرنٹرز، لاہور سے لیے گئے ہیں۔ ابتدائی متن کے مصاریع ساتھ بیاض کے اور مطبوعہ یا متداول مصرعوں کے ساتھ ارمغان حجاز کے اولین نسخے کے صفحہ نمبر درج کردیے ہیں۔ جہاں کہیں اقبال" نے ایک سے زائد ترمیمیں کی ہیں انھیں بالترتیب لکھا گیا ہے تاکہ شعر اقبال" میں درجہ بدرجہ تبدیلیوں کا مطالعہ کیا جاسکے، جبکہ توضیحی حواشی آخر میں مرقوم ہیں۔ بیاض میں اکثر مصرعوں کا پڑھنا دشوار ہے، چنانچہ ایسے مقامات کو جہاں پوری کوشش کے باوجود لفظوں کی پہچان میں کامیابی نہ ہوئی 'ناخوانا' کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

(۱) حضورِ حق

ابتدائی متن	ترمیم شدہ یا مطبوعہ شکل
(i) چساں دانی کہ ذوقِ بندگی چیست (ii) خدائی کے شناسد بندگی را (ص ۳۴)	ازاں از لامکاں بگریختم من (ص ۸)
(i) ترا ایں زار نالیہاے شب نیست (ii) ترا ایں نالہ ہاے نیم شب نیست (ص ۳۴)	کہ آں جا نالہ ہاے نیم شب نیست (ص ۸)
ازیں خاکِ کہن مردے برانگیز (ص ۳۸)	ز خاکِ ما دگر آدم بر انگیز (ص ۹)
دریں دیرِ کہن آلِ براہیم (ص ۴۴)	دریں بتخانہ اولادِ براہیم (ص ۱۳)
جہانِ کاخ و کو آنِ خسے چند (ص ۴۰)	جہانِ تست در دستِ خسے چند (ص ۴۰)

(i) ہنر منداں اُو در کارگاہاں (ii) ہنر مندش میانِ کارگاہاں (ص۴۰)	ہنرور در میانِ کارگاہاں (ص۴۰)
تو دانی آنسوے نہ آسماں چیست (ص۵۶)	تو می دانی حیاتِ جاوداں چیست (ص۴۲)
(i) مکن پیشِ پیمبرؐ شرمسارم (ii) حضورِ مصطفیؐ خوارم مگرداں (ص۳۸)	مکن رُسوا حضورِ خواجہؐ ما را (ص۴۳)
تو باش اینجا و خاصاں را نگہ دار (ص۳۹)	تو باش ایں جا و با خاصاں بیامیز (ص۴۳)

(۲) حضورِ رسالتؐ

(i) نمیدانی کہ از حج مدعا چیست؟ (ii) نگاہے داشتن بر جوہرِ دل (ص۳۹)	نگاہے داشتم بر جوہرِ دل (ص۳۸)
رمیدن از ہواے قریہ و شہر (ص۳۹)	رمیدم از ہوائے قریہ و شہر (ص۳۸)
بیادِ دشت وا کردن درِ دل (ص۳۹)	بیادِ دشت وا کردم درِ دل! (ص۳۸)
بجانِ ما ز آوازِ جرس شور (ص۳۱)	بجانِ شاں ز آوازِ جرس شور (ص۳۹)
چو از موجِ نسیم اندر نیستاں! (ص۳۱)	چو از موجِ نسیمے در نیستاں! (ص۳۹)
گناہِ سوز و مستی عام کردند! (ص۲۷)	گناہِ عشق و مستی عام کردند (ص۳۰)

فقیہِ شہر را بدنام کردند! (ص۲۷)	دلیلِ پختگاں را خام کردند (ص۳۰)
(i) دگر بار آں نوائے اعجمی زن (ii) نوائے اعجمی را تلخ تر زن (ص۲۷)	بآہنگِ حجازی می سرایم (ص۳۰)
عزیزاں کم شناسند از کجایم (ص۳۰)	ندیماں کم شناسند از کجایم (ص۳۰)
ضمیرِ اُو خبیر است و بصیر است (ص۲۹)	کہ جانِ اُو چو جانِ ما بصیر است (ص۳۱)
مرا روشن شد از موجِ خرامش (ص۲۹)	من از موجِ خرامش می شناسم (ص۳۱)
کہ چوں من در طلسمِ دل اسیر است (ص۲۹)	چو من اندر طلسمِ دل اسیر است (ص۳۱)
درخشد گریہ در چشمِ سیاہش (ص۲۹)	نمِ اشک است در چشمِ سیاہش (ص۳۲)
ہماں آتش کہ من در سینہ دارم (ص۲۹)	ہماں نے کو ضمیرم را بر افروخت (ص۳۲)
(i) کہ از ہر کارواں بیگانہ راہی است! (ii) سرودِ اُو بآہنگِ عرب نیست (iii) نوائے اُو بآہنگِ عرب نیست (ص۳۲)	سرودِ اُو بآہنگِ عرب نیست (ص۳۲)
خنک دل در بیاباں می تواں زیست! (ص۳۲)	خنک دل در بیابانے تواں زیست! (ص۳۲)

(i) غمِ ہر دل تراود از سرودش
(ii) غمِ صد کارواں در یک نوایش
(ص۳۲)

نوائے اُو بہ ہر دل سازگار است
(ص۳۲)

تو گوئی یک جہاں اندر دلِ اوست
(ص۳۲)

کہ در ہر سینہ قاشے از دلِ اوست
(ص۳۲)

(i) مسافر خستہ جاں و جادہ پُر پیچ
(ii) مسافر زار و راہے پیچ در پیچ
(iii) مسافر درد مند و جادہ پُر پیچ
(ص۳۳)

رہے پُر پیچ و راہی خستہ و زار
(ص۳۲)

مرا ایں بس کہ تنہا می نشینم
(ص۳۶)

مرا تنہا نشستن خوشتر آید
(ص۳۵)

حدیثِ ملتِ بیضا بگویم
(ص۳۱)

دو حرفے بر مرادِ دل بگویم
(ص۳۶)

ز نقشِ بے صور پیدا معانی!
(ص۳۶)

ز خاکش بے صوَر روید معانی!
(ص۳۸)

مسلمانے غریبے درد مندے
(ص۳۶)

چہ گویم زاں فقیرے درد مندے
(ص۴۰)

ز سوزِ عشق و مستی ارجمندے
(ص۳۶)

مسلمانے بہ گوہر ارجمندے
(ص۴۰)

بروے ما درِ میخانہ بستند
(ص۴۰)

بروے اُو درِ میخانہ بستند
(ص۴۳)

بچشمِ اُو نہ نورے نے سرورے
(ص۵۱)

بچشمِ اُو نہ نور و نے سرور است
(ص۴۵)

نہ دل در سینۂ اُو ناصبورے
(ص۵۱)

نہ دل در سینۂ اُو ناصبور است
(ص۴۵)

که مرگِ اُو ز جانِ بے حضورے (ص۵۱)	که مرگِ او ز جانِ بے حضور است! (ص۴۵)
دلے می جستم اندر سینۂ او (ص۵۵)	دلے در سینہ چاکش ندیدم (ص۴۵)
بایں افلاس جانش اُستوار است (ص۳۴)	بنائے پیکرِ او اُستوار است (ص۴۶)
نگاہم اندرونِ او ببیند (ص۳۴)	طبیبِ نکتہ رس دید از نگاہش (ص۴۶)
خودی در پیکرِ او رعشہ دار است (ص۳۴)	خودی اندر وجودش رعشہ دار است! (ص۴۶)
(i) دلِ یاراں تہی از ہاے و ہوے (ii) مسلماناں تہی از ہاے و ہوے (ص۳۶)	حرم از دیر گیرد رنگ و بوئے (ص۵۰)
ز فیضِ پیرکِ ژولیدہ موے (ص۳۶)	بُتِ ما پیرکِ ژولیدہ موئے (ص۵۰)
ندیدم در حرم ایں تیرہ بختاں (ص۳۶)	نیابی در حرم ما تیرہ بختاں (ص۵۰)
نمی خواہند کس خشتے بگیرد (ص۳۹)	بنالند ار کسے خشتے بگیرد (ص۵۱)
بغیرِ تو سفر بے کارواں بہ (ص۲۶)	سوئے یثرب سفر بے کارواں بہ (ص۵۶)
بہ بطحا (ناخوانا) انجا مستیِ شوق (ص۲۶)	کجا مکتب، کجا میخانۂ شوق (ص۵۶)

(i) تو میدانی مرا ایں بہ کہ آں بہ! (ii) بگو با من مرا ایں بہ کہ آں بہ! (ص ٣٦)	تو خود فرما مرا ایں بہ کہ آں بہ! (ص ٥٦)
ز احوالِ مسلماناں چہ گویم (ص ٣٠)	سخن اندر گلوئے من گرہ بست (ص ٥٩)
کہ تو ہر درد را ناگفتہ دانی! (ص ٣٠)	تو احوالِ مرا ناگفتہ دانی (ص ٥٩)
(i) زخاکِ من برآر آں شعلۂ شوخ (ii) عطا کن آں نوائے سوزناکے (ص ٣٣)	بدہ آں نالۂ گرمے کہ از وے (ص ٦٠)
بگو افسانۂ غم با کہ گویم (ص ٣١)	دگر افسانۂ غم با کہ گویم (ص ٦٠)
بفرما ہر چہ خواہی جز صبوری! (ص ٣١)	بفرما ہر چہ می خواہی بجز صبر (ص ٦٢)
ازاں بے ذوق تر روزے ندیدم! (ص ١٠)	ازاں بے سوز تر روزے ندیدم!٢ (ص ٦٣)
گریزم از خردمندانِ ایں عصر (ص ٣١)	مرا دردِ حکیماں دردِ سر داد (ص ٦٤)
کہ ہم او را و ہم خود را ببینم (ص ٣٣)	کہ ہم خود را ہم او را فاش بینم (ص ٦٤)
حجازے بین کہ او را زمزمے نیست (ص ٣٥)	کہ در ریگِ حجازش زمزمے نیست! (ص ٦٥)
(i) چناں نالد کہ او را می کند فاش (ii) چناں نالم کہ پنہا نم شود فاش (ص ٣٦)	ازاں ترسم کہ پنہانم شود فاش (ص ٦٦)

مرا تا اندریں دور آفریدند (۴۵)	مرا در عصرِ بے سوز آفریدند (ص۶۹)
بخاکم جانِ مجبورے دمیدند (ص۴۵)	بخاکم جانِ پُرشورے دمیدند (ص۶۹)
(i) (تاخواتا) یارے کہ دارم کم رسیدند (ii) مپرس از کور ذوقیہائے ایں عصر (ص۴۵)	چو نخ در گردنِ من زندگانی (ص۶۹)
چو خود را در کنارِ خویش کشیدم (ص۴۷)	چو خود را در کنارِ خود کشیدم (ص۷۱)
(i) بجانِ ما ضعیفاں افگن آں شور (ii) دگر آں گرم خوں را پرورش دہ (iii) دگر در سینۂ من آں دلے نہ (ص۳۳)	دگر آں دل بنہ در سینۂ من (ص۷۳)
(i) کہ از پا آورد کاؤس و کے را! (ii) کہ پیچد پنجۂ کاؤس و کے را!! (ص۳۳)	کہ پیچم پنجۂ کاؤس و کے را!! (ص۷۳)
ز ما امروز می خواہد نمودے (ص۱۰)	ز من امروز می خواہد نمودے (ص۷۴)
جبیں را بر درِ دیگر نسودم (ص۴۶)	نوائے دلگدازے آفریدم (ص۷۵)
گلستاں از کفِ خاکم برانگیز (ص۱۰)	گلستانے ز خاکِ من برانگیز (ص۷۷)
(تاخواتا) من بخونِ لالہ آمیز (ص۱۰)	نم چشم بخونِ لالہ آمیز (ص۷۷)

زبانے دہ چو شمشیرِ علیؓ تیز! (ص ۱۰)	نگاہے دہ چو شمشیرِ علیؓ تیز! (ص ۷۷)
مرا شورے ز طوفانِ دگر دہ! (ص ۵۰)	مرا شورے ز طوفانے دگر دہ! (ص ۷۹)
نمیدانم چہ گفتم با کہ گفتم! (ص ۵۱)	ندانم با کہ گفتم نکتۂ شوق (ص ۸۰)
قلندر را دلِ بے مدّعا بس (ص ۴۱)	بکوئے تو گدازِ یک نوا بس (ص ۸۱)
بکوے تو سرورِ یک صدا بس (ص ۴۱)	مرا ایں ابتدا ایں انتہا بس (ص ۸۱)
بگیرم سرمہ از خاکِ درِ دوست (ص ۲۸)	بروبم از مژہ خاکِ درِ دوست (ص ۸۳)
ز کیشِ مصطفیٰ اُفتادہ تیرم (ص ۲۸)	ز کیشِ ملتے افتادہ تیرم! (ص ۸۴)
من و او باہم آویزیم و رقصیم (ص ۲۶)	بیا باہم درآویزیم و رقصیم (ص ۸۵)
بیا تا در حریمِ کوچۂ دوست (ص ۲۶)	یکے اندر حریمِ کوچۂ دوست (ص ۸۵)

(۳) حضورِ ملت

(۱) مرا داوند چشمِ تیز بینے (۱۱) ازاں (تا خوانا) اندر چشمِ نمرود (ص ۴۸)	ازاں نمرود با من سرگراں است (ص ۹۰)
ضمیرِ آسماں را دیدہ ام من (ص ۴۸)	بہ تعمیرِ حرم کوشیدہ ام من (ص ۹۰)

شکوہ آسماں دادم زمیں را	بفشاں بر دو گیتی آستیں را
(ص۳۸)	(ص۹۰)
کہ ملا کم شناسد روحِ دیں را	کہ ملا کم شناسد رمزِ دیں را
(ص۳۸)	(ص۹۰)
اگر تقلید خود را دیدہ ام فاش	اگر خود را متاعِ خویش دانی
(ص۳۸)	(ص۹۲)
بخود مثلِ کلیمے راہ دریاب	تو اے ناداں دلِ آگاہ دریاب
(ص۴۱)	(ص۹۶)
مقامِ آں سوے مہر و ماہ دریاب	بخود مثلِ نیاگاں راہ دریاب
(ص۴۱)	(ص۹۶)
حقِ فرعون اگر خواہی بدانی	چساں مومن کند پوشیدہ را فاش
(ص۴۱)	(ص۹۶)
نگاہِ او نمی بیند بجز پوست	نگاہش مغز را نشناسد از پوست
(ص۴۲)	(ص۱۰۰)
ولے تفسیرِ شاں در حیرت انداخت	ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت
(ص۳۹)	(ص۱۰۲)
شب و روزِ تو مرگِ ناتمام است	بمرگِ ناتمامے جاں سپردن
(ص۹)	(ص۱۰۳)
کہ نانے گیری از خاکِ مزارے	گرفتن روزی از خاکِ مزارے!
(ص۹)	(ص۱۰۳)
شنیدم با مریدے پیرکے گفت	پسر را گفت پیرے خرقہ بازے
(ص۵۰)	(ص۱۰۴)
بہ نمرودانِ ایں دور آشنا شو	بہ نمرودانِ ایں دور آشنا باش
(ص۵۰)	(ص۱۰۴)

که با جامش نیرزد فرِ پرویز!
(ص ۳۱)

(i) گزد بر می جهد رگهاے سنگے
(ii) که فیضِ اُو دہد رگهاے سنگے
(ص ۳۱)

حریم عشق و مستی را غزالے
(ص ۳۱)

(i) شکوہِ بندگی بُرد از سنائی
(ii) جمالِ بندگی را عشقِ او داد
(iii) جمالِ عشق را غوغاے او داد
(ص ۳۱)

(i) زد اُو را بر عیارِ کبریائی
(ii) شکوہے از جلالِ کبریائی
(ص ۳۱)

دو صد رحمت بخاکِ پاکِ اُو باد
(ص ۳۵)

بہ نیلِ مصریاں موجے برانگیز
(ص ۳۶)

که شاہی را بدرویشی در آمیز!
(ص ۳۶)

بہل ایں شیوۂ صورت نگاری
(ص ۳۷)

بشاخِ مصطفیٰ گن آشیاں را
(ص ۳۷)

که با جامش نیرزد ملکِ پرویز
(ص ۱۰۴)

که تاثیرش دہد لعلے بہ سنگے
(ص ۱۰۵)

غزالے در بیابانِ حرم بیں
(ص ۱۰۵)

جمالِ عشق گیرد از نئے اُو
(ص ۱۰۶)

نصیبے از جلالِ کبریائی
(ص ۱۰۶)

نئے آں نے نوازے پاکبازے
(ص ۱۰۶)

ز نیلِ مصریاں موجے برانگیز
(ص ۱۰۹)

که خود در فقر و سلطانی بیامیز!۔۴
(ص ۱۰۹)

بہائے کم نہادم لعلِ لب را
(ص ۱۱۴)

ازاں نُورے که از قرآں گرفتم
(ص ۱۱۴)

مسلماں را بدہ سوزے کہ داری	سحر کردم صد و سی سالہ شب را
(ص ۳۷)	(ص ۱۱۴)
بافسونِ ہنر ایں چشمہ بکشاے	بہ افسونِ ہنر آں چشمہ بکشاے
(ص ۳۷)	(ص ۱۱۵)
نفس پیدا کن اندر سینۂ خویش	نوائے آفریں در سینۂ خویش
(ص ۳۷)	(ص ۱۱۷)
بہارے می تواں دادن خزاں را	بہارے میتواں کردن خزاں را
(ص ۳۷)	(ص ۱۱۷)
کہ بینی دولتِ فردائے خود را	بدست آور رگِ فردائے خود را۵
(ص ۳۹)	(ص ۱۱۹)
بہ پہنائے بیابانے قدم نہ تو ہم پا در بیابانِ حرم نہ	بچو من پا در بیابانِ حرم نہ
(ص ۳۹)	(ص ۱۱۹)
مگو شعرم چنین است و چنین نیست	مگو شعرم چنیں است و چناں نیست
(ص ۳۸)	(ص ۱۲۱)
جہانِ آب و گل بے رنگ و نم بود	دگر رنگے ازیں خوشتر ندیدم
(ص ۳۸)	(ص ۱۲۳)
مشو غافل کہ از خوش خوشترے ہست	بگوشم آمد از گردوں دمِ مرگ۶
(ص ۳۸)	(ص ۱۲۵)
عرب خود را بسوزِ مصطفیٰؐ سوخت	عرب خود را بہ نورِ مصطفیٰؐ سوخت۷
(ص ۳۹)	(ص ۱۲۶)
ولیکن آں مسلماں راہ گم کرد	ولیکن آں خلافت راہ گم کرد
(ص ۳۹)	(ص ۱۲۶)
محبت از وجودش اُستوار است	محبت از نگاہش پایدار است
(ص ۳۸)	(ص ۱۲۸)

تخیلش را ز کوثر آب دادم (ص ۳۰)	بہ مژگاں آرزوئے تازہ دادند (ص ۱۲۹)
متاعش را بہا دیگر نہادم (ص ۳۰)	بنائے کار شاں دیگر نہادند (ص ۱۲۹)
نقاب از روئے تقدیرش کشادم (ص ۳۰)	نقاب از روئے تقدیرے کشادند (ص ۱۲۹)
بہل اے دخترک ایں کافریہا (ص ۳۹)	بہل اے دخترک ایں دلبری ہا (ص ۱۳۰)
بدہ دل با جمالِ غازہ پرورد (ص ۳۹)	مدہ دل بر جمالِ غازہ پرورد (ص ۱۳۰)
طریقِ او نمودِ رنگ و آب است (ص ۳۹)	کشادش در نمودِ رنگ و آب است (ص ۱۳۱)
مقامِ ملتے از وارداتش (ص ۳۹)	خنک آں ملتے کز وارداتش (ص ۱۳۲)
(۱) بمیرد چوں سر آید ممکناتش (۱۱) دو صد ہنگامہ خیزد کائناتش (ص ۳۹)	قیامت ہا بہ خیزد کائناتش (ص ۱۳۲)
اگر چندے ز نادانے پذیری (ص ۴۰)	اگر چندے ز درویشے پذیری (ص ۱۳۳)
اگر رقصد غلامے جز فسوں نیست (ص ۴۷)	چہ گویم رقص تو چون است و چوں نیست [۸] (ص ۱۳۶)
کند زیب کمر زنار خود را (ص ۵۳)	بدوشِ خود برد زنار خود را [۹] (ص ۱۳۷)
برہمن با مسلمانے چہ خوش گفت (ص ۹)	برہمن گفت برخیز از درِ غیر (ص ۱۳۸)

(i) شر از افرنگیاں بینی ز ما خیر! (ii) کہ افرنگی ہمہ شر ما ہمہ خیر! (iii) بما آویز و برخیز از در غیر! (ص۹)	ز یاران وطن ناید بہ جز خیر! (ص۱۳۸)
دو ملا (ناخوانا) بیک مسجد نگنجد (ص۹)	بیک مسجد دو ملا می نہ گنجد (ص۱۳۸)
بدست آور مقام ایں تب و تاب (ص۵۰)	بہ فرزنداں بیاموز ایں تب و تاب (ص۱۳۸)
کہ مرد خود نگہدارے ندارد (ص۴۹)	جوانے خود نگہدارے ندارد (ص۱۳۹)

(۴) حضورِ عالمِ انسانی

گلہ از سختی ایّام کم گوے (ص۳۱)	گلہ از سختی ایّام بگذار (ص۱۵۴)
نمی بینی کہ آبِ جوئباراں (ص۳۱)	نمی دانی کہ آبِ جوئباراں (ص۱۵۴)
حضورِ زاغ و کرگس چہرہ سائی (ص۳۴)	حضورِ دوں نہاداں چہرہ سائی (ص۱۵۵)
بیارا چوں نیاگاں کارِ خود را (ص۵۱)	خنک آں کس کہ داند کارِ خود را۱۰ (ص۱۵۷)
نکوی اندریں صحرا ہمیں است (ص۵۱)	بگیر از ما کہن صحرا نورداں (ص۱۵۷)
کہ فرصت کمتر و گردوں دو رنگ است (ص۳۵)	کہ فرصت اندک و گردوں دو رنگ است (ص۱۵۹)

برزمِ زندگی دم را نگہ دار (ص ۵۰)	ز غم آزاد شو، دم را نگہ دار (ص ۱۶۲)
اگر دانی بہاے ایں دمِ چند! (ص ۵۱)	اگر دانی بہائے ایں دمے چند! (ص ۱۶۳)
(i) تہ و بالا کن ایں عالم کہ در وے (ii) تہ و بالا کن آں عالم کہ در وے (ص ۳۹)	تہ و بالا کن ایں عالم کہ در وے! (ص ۱۶۴)
(i) بصیدِ دل روی؟ ترکش بینداز (ii) بصیدِ من روی؟ ترکش بینداز (ص ۳۲)	بصیدِ دل روی؟ ترکش بینداز! (ص ۱۷۱)
فراقش از مقاماتِ وصال است (ص ۲۹)	جدائی از مقاماتِ وصالش (ص ۱۷۲)
خودی را از شہودِ حق شہودے (ص ۳۵)	خودی را از نمودِ حق نمودے (ص ۱۷۳)
شنیدم مرگ پیشِ حق چنیں گفت (ص ۳۲)	شنیدم مرگ با یزداں چنیں گفت (ص ۱۷۶)
حذر زاں کس کہ از خاکے بزاید (ص ۳۲)	چہ بے نم چشمِ آں کز گل بزاید (ص ۱۷۶)
ازاں از خوابِ مرگ، عارے ندارد (ص ۳۲)	نگردد شرمسار از خوارئ مرگ (ص ۱۷۶)
ترا از آستانِ خویش راندند (ص ۳۵)	ترا از آستانِ خود براندند (ص ۱۷۸)
من و تو از جہانش بے نیازیم (ص ۳۵)	بیا تا نرد را شاہانہ بازیم (ص ۱۷۹)

بیا تا سنگ و خشتِ او (تا خوانا) (ص ۳۵)	جہانِ چار سو را درگدازیم (ص ۱۷۹)
ز انبارِ خس و خارے کہ دارد (ص ۳۵)	بافسونِ ہنر از برگِ کاہش (ص ۱۷۹)
ز شانش ماہ و انجم شرمسار است (ص ۳۶)	سپہر از زشتئ او شرمسار است (ص ۱۸۰)
اگر گاہے کُنی قصدِ نگاہے (ص ۳۶)	اگر پیدا کُنی ذوقِ نگاہے (ص ۱۸۰)
کہ چشمِ تو کند کور از فسونے (ص ۳۶)	کند چشمِ ترا کور از فسونے (ص ۱۸۱)
چہ شیطانے کہ اصلش از فرنگ است (ص ۳۶)	بشر تا از مقامِ خود فتاد است (ص ۱۸۲)
(i) چہ شیطانے کہ شہدِ اُو شرنگ است (ii) بقدرِ زندگی اُو را کشاد است (ص ۳۶)	بقدرِ محکمی او را کشاد است (ص ۱۸۲)
(i) شکوہے در گناہِ تو نہ بینم (ii) شکوہے در گناہِ خود نہ بینی (iii) گناہِ تو دلیلِ دوئی تو (iv) نصیبِ تو گناہِ ناخوش و سرد (ص ۳۶)	گنہ ہم می شود بے لذت و سرد (ص ۱۸۲)
(i) کہ شیطانِ تو بے ناموس و ننگ است! (ii) اگر شیطانِ تو خاکی نہاد است (ص ۳۶)	اگر ابلیسِ تو خاکی نہاد است (ص ۱۸۲)

(i) مشو نخچیرِ طاغوتانِ ایں عصر (ii) حذر باید ازیں نوزادہ طاغوت (ص ۳۶)	مشو نخچیرِ ابلیسانِ ایں عصر (ص ۱۸۲)
(i) گناہِ شاں بہرکس سازگار است (ii) بہرکس غمزۂ شاں سازگار است (ص ۳۶)	خساں را غمزۂ شاں سازگار است (ص ۱۸۲)
(i) غنیمت داں ہمہ پارینہ ابلیس (ii) رضا شو با کہن ابلیس خوشتر (iii) بمردانِ جہاں را پس غنیمت (ص ۳۶)	اصیلاں را ہماں ابلیس خوشتر (ص ۱۸۲)
حریفِ اُو خُدن سودائے خام است (ص ۳۶)	حریفِ ضربِ او مردِ تمام است (ص ۱۸۳)
بیامیزد بابلیسانِ نوزاد (ص ۳۶)	بہ ایں نوزادہ ابلیساں نسازد (ص ۱۸۳)

(۵) بہ یارانِ طریق

بنالیم آں چناں در مسجدِ شہر (ص ۵۵)	چناں نالیم اندر مسجدِ شہر (ص ۱۸۵)
نگیرد مرغکِ بے چارۂ را (ص ۵۵)	فضائے نیلگوں نخچیر گاہش (ص ۱۸۷)
چناں کز جُملہ عالم چار سُو ریخت (ص ۳۹)	چو گرد از رختِ ہستی چار سو ریخت (ص ۱۸۸)
سرشکم در دلِ فطرت تپیدم (ص ۳۹)	چو اشک اندر دلِ فطرت تپیدم (ص ۱۸۸)

ز مژگانش درخشِ من تواں دید (ص ۲۹)	درخشِ من ز مژگانش تواں دید (ص ۱۸۸)
کہ من بر خاک راہے کم چکیدم (ص ۲۹)	کہ من بر برگِ کاہے کم چکیدم (ص ۱۸۸)
بگو از من بگیر آں دیر سالہ (ص ۳۱)	بیا از من بگیر آں دیر سالہ (ص ۱۸۹)
ازاں شاہیں کہ دست آموزِ شاہے است! (ص ۳۳)	ازاں بازے کہ دست آموزِ شاہیست! (ص ۱۹۱)
(i) بآغوشِ صدف آسودن آموز (ii) بگو گوہر در برم آسودن آموز (ص ۵۵)	بطوفانم چو دُر آسودن آموز (ص ۱۹۴)
نواے من دہد پیغامِ یارے (ص ۲۷)	ترا با خرقہ و عمامہ کارے ۱۳ (ص ۱۹۸)
گدازِ یک دمِ من روزگارے (ص ۲۷)	من از خود یافتم بوئے نگارے (ص ۱۹۸)
(i) چو رختِ خویش بربندم ازیں خاک (ii) چو رختِ خویش برگیرم ازیں خاک (ص ۳۴)	چو رختِ خویش بربستم ازیں خاک ۱۴ (ص ۱۹۹)
ہمہ گویند با ما آشنا بود! (ص ۳۴)	ہمہ گفتند با ما آشنا بود! (ص ۱۹۹)
ولیکن کس نداند ایں مسافر (ص ۳۴)	ولیکن کس ندانست ایں مسافر (ص ۱۹۹)
بدوشِ منعمے بے دین و دانش (ص ۳۹)	بدوشِ منعمِ بے دین و دانش (ص ۱۹۹)

پیچ از حکمِ او گردن کہ آخر (ص ۳۹)	سریں را ہم بہ چوبش دہ کہ آخر (ص ۲۰۳)
(i) دل اندر حلقۂ ایں خاکداں نیست (ii) دلِ مردانِ حق زیں خاکدان نیست (ص ۴۰)	دلِ بیگانہ خو زیں خاکداں نیست (ص ۲۰۵)
تو خود وقتِ نمودِ خویش بشناس (ص ۴۰)	تو خود وقتِ قیامِ خویش دریاب (ص ۲۰۵)
قدم بیباک زن کس در کمیں نیست! (ص ۴۲)	قدم بیباک نہ کس در کمیں نیست! (ص ۲۰۵)
کہ بیند چشمِ دل اسرارِ لولاک (ص ۴۳)	کہ در خود فاش بیند رمزِ لولاک (ص ۲۰۶)
کہ از تاکِ نیاگاں برنخوردی (ص ۵۳)	کہ از تاکِ نیاگاں مے نخوردی (ص ۲۰۶)
(i) دمِ مردِ خدا خارا گداز است (ii) نہ سوزِ ہر کسے خارا گداز است (iii) نہ تیغِ ہر کسے آہن گداز است (ص ۹)	نہ ہر کس خودگر و ہم خود گداز است (ص ۲۰۷)
کہ او را نازہا اندر نیاز است (ص ۹)	نہ ہر کس مستِ ناز اندر نیاز است (ص ۲۰۷)
(i) فرنگی ہم خداوندی بداند (ii) فرنگی رسم و آئینِ تو داند (ص ۴۷)	فرنگ آئینِ رزّاقی بداند[۱] (ص ۲۰۹)
گہے بخشد گہے وا می ستاند (ص ۴۷)	بایں بخشد ازو وا می ستاند (ص ۲۰۹)

حواشی:

۱ یہ دوبیتی ارمغان حجاز میں دو بار مرقوم ہوئی۔ اولاً اقبالؒ نے اسے ص ۲۷ پر ذیل کی شکل میں لکھ کر قطع کر دیا:

گناہِ سوز و مستی عام کردند — فقیہِ شہر را بدنام کردند
دگر بار آں نوائے اعجمی زن — بختیں بادہ کاندر جام کردند

نیز یہیں تیسرے مصرعے میں مزید ترمیم یہ کی: نوائے اعجمی را تلخ تر زن ____ جبکہ ص ۳۲ پر اسی دوبیتی کا انداز یہ ہے:

گناہِ عشق و مستی عام کردند — فقیہِ شہر را بدنام کردند
بآہنگِ حجازی می سرایم — بختیں بادہ کاندر جام کردند

نیز یہاں دوسرے مصرعے کو بدل کر یوں بھی لکھا: دلیلِ پختگاں را خام کردند، دیکھیے بیاض مذکور کا ص ۲۷ اور ۳۲۔

۲ ارمغانِ حجاز مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز میں اس مصرعے میں "بے سوز" کے بجائے "بے سوز" چھپا ہے جو غلط ہے، ملاحظہ کیجیے۔ ارمغانِ حجاز طبع ششم ۱۹۹۰ء ص ۲۷۔

۳ یہ دوبیتی بیاض میں مسترد صورت میں ملتی ہے مگر اسے اشاعت کے وقت شامل کیا گیا۔ دیکھیے بیاض، ص ۵۰۔

۴ یہ مصرع بیاض میں مختلف شکل میں اس طرح موجود ہے: 'کہ در خود فقر و سلطانی بیامیز!' اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں معنی زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔ دیکھیے بیاض، ص ۳۶۔

۵ یہ دوبیتی بیاض میں ص ۳۹ پر ایک ہی شکل میں دو بار رقم کی گئی ہے جن میں سے ایک کاٹ دی گئی ہے۔

۶ گویا اس ترمیم سے قبل لطف اللہ آزر کا شعر مکمل تضمین ہوا اور یوں ہے:
'مشو غافل کہ از خوش خوشترے ہست + شگوفہ چوں فرو ریزد برے ہست' دیکھیے بیاض، ص ۳۸

۷ یہ دوبیتی بیاض میں دو مقامات ص ۳۹ اور ۵۱ پر ملتی ہے مگر ص ۳۹ پر اقبالؒ نے اسے مسترد کیا ہے۔

۸ اولاً اس دوبیتی کا دوسرا مصرع، چوتھا اور چوتھا مصرع، دوسرا تھا، بعد میں اقبالؒ نے ترتیب بدل ڈالی، دیکھیے، بیاض ارمغان حجاز: ص ۲۷۔

۹ بیاض میں اس مصرعے کا صرف ابتدائی متن موجود ہے، ترمیم شدہ شکل نہیں ملتی البتہ اس کے ابتدائی حصے 'کند زیب کمر' پر دائرہ کھینچا گیا ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ اقبالؒ نے بعد میں اسے بدلوا دیا ہوگا۔ دیکھیے، بیاض ارمغان حجاز: ص ۵۳

۱۰ یہ اقبال کی دوبیتی کا مصرع دوم ہے، اس کے مصرع اول: 'چہ خوش گفت اُشترے با کُرہ خویش' کے ساتھ مختصر حاشیے: 'کُرہ: بچہ اُشتر' کا اہتمام کیا گیا ہے، جو مطبوعہ نسخے میں نہیں ملتا۔ دیکھیے: بیاض، ص ۱۵۱ اور ارمغان حجاز، طبع اول ۱۹۳۸ء، ص ۱۵۷

۱۱ اس مصرعے کا ابتدائی متن ظاہر کرتا ہے کہ علامہ نے اس میں لفظ 'ایں' کو 'آں' سے بدل دیا، مگر مطبوعہ نسخے میں مصرع مذکور کی پہلی صورت ہی چھپ گئی۔

۱۲ اس مصرعے کی اشاعت کے سلسلے میں بھی ابتدائی متن ہی اختیار کیا گیا جبکہ اس کی ترمیمی شکل 'بصید من روی؟ ترکش بینداز' ہے۔

۱۳ بیاض میں اس دوبیتی پر 'سرورق' کا لفظ مرقوم ہے۔ ممکن ہے کہ اقبالؒ اسے ارمغانِ حجاز کے آغاز میں لانا چاہتے ہوں۔ دیکھیے بیاض: ص ۲۷

۱۴ بیاض میں اس دوبیتی کے ساتھ 'کتبۂ مزارِ خویش' کا مختصر نوٹ ملتا ہے، واضح رہے کہ دوبیتی میں مضمون بھی یہی باندھا گیا ہے:

چو رختِ خویش بربستم ازیں خاک   همه گفتند با ما آشنا بود!
ولیکن کس ندانست ایں مسافر   چه گفت و با که گفت و از کجا بود!

اس مختصر اشارے کے لیے ملاحظہ ہو بیاض ارمغانِ حجاز کا ص ۳۴

۱۵ بیاض میں مطبوعہ صورت کے برعکس اس دوبیتی کے پہلے دو مصرعوں کی ترتیب اُلٹ ہے، یعنی یہ اس طرح رقم ہے:

بایں بخشد ازو وا می ستانند
فرنگ آئینِ رزاقی بداند

دیکھیے: بیاض، ص ۲۷

☆

۵۔ باقیاتِ ارمغانِ حجاز، فارسی

نابغۂ عصر شاعر ہونے کے ناتے علامہ اقبال کا نہ صرف مطبوعہ کلام اہم ہے بلکہ متروک اور منسوخ حصۂ شعر بھی یقیناً لائق مطالعہ ہے۔ یہ باقی کلام اقبال کی خودنوشت بیاضوں میں منقول ہے اور اس کے سامنے آنے سے اس بے مثل شاعر کے فکروفن کے کئی دریچے وا ہو سکتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ اقبال فہمی کے لیے اقبال کی بیاضوں کا مطالعہ ناگزیر ہے کہ اس سے تحقیق اقبالیات میں بعض نئے اضافے ممکن ہیں۔ بالخصوص علامہ کی باقیاتِ شعر کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں ان کی خودنوشت بیاضوں کی قدروقیمت سے قطعاً صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بعض مجموعے تخصیصی توجہ کے متقاضی بھی ہیں، جن میں ارمغانِ حجاز سرِفہرست ہے۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں پیش کیے گئے مطالعات میں ذکر ہوا کہ یہ وہ واحد مجموعۂ کلام ہے جو اقبال کی وفات کے بعد چھپا لہٰذا قیاس یہ کہتا ہے کہ اس میں ترامیم واضافات کی گنجایش نکلتی ہے۔ خاص طور پر ارمغان حجاز کی بیاض اور اہم مطبوعہ متون کے تقابل کے نتیجے میں اس مجموعے کی 'باقیات' مرتب کی جا سکتی ہے، یعنی اس موازنے یا مقائسے کے نتیجے میں ہم اُن دوبیتیوں کا کھوج لگا سکتے ہیں جنھیں علامہ نے بیاض میں مسترد کر دیا اور اُن دوبیتیوں کا بھی جو قلمزد نہ ہونے کے باوجود اشاعتی نسخوں میں شامل نہ ہو سکیں ___ چنانچہ دوبیتیوں کی ایسی دونوں صورتیں 'باقیاتِ ارمغان حجاز' میں شمار ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے زاویے سے ان دوبیتیوں کو ہم اقبال کا 'متروک کلام' بھی کہہ سکتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ انھیں اقبال نے ترک کیا یا مرتب نے یا کسی اور سبب سے یہ شعر پارے شائع نہ ہو پائے۔ ذیل میں باقیاتِ ارمغانِ حجاز (فارسی) کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔ اقبال نے جن دوبیتیوں کو رد نہیں کیا لیکن وہ شامل اشاعت نہ ہو سکیں یا جو قلمزد ہونے کے باوجود چھپ گئیں، ایسی دونوں صورتوں کی وضاحت حواشی میں کر دی گئی ہے۔ مطبوعہ صورتوں میں بعض حواشی شایع نہ ہو سکے تھے، یہاں انھیں شامل کر لیا گیا ہے اور متروکات کے ساتھ منقول حاشیے بھی آخر میں ظاہر کر

دیے گئے ہیں۔ واضح رہے کہ ۵۶ صفحات پر مشتمل ارمغانِ حجاز کی بیاض کو علامہ نے تین حصوں میں چند اشاروں کے تحت لکھا ہے، مثلاً 'م ۱' کا اشارہ 'حضورِ حق' کے لیے، 'م ۲' کا 'حضورِ رسالت' اور 'م ۳' کا 'حضورِ امت' (جسے مطبوعہ نسخوں میں 'حضورِ ملت' کا عنوان دیا گیا ہے) کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس کے برعکس چھاپی صورت میں کل پانچ حصے ہیں۔ بیاض کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ اقبال کی تیسرے حصے یعنی م ۳ کی دوبیتیوں کو مزید دو اجزا میں تقسیم کر کے 'حضورِ عالمِ انسانی' اور 'بہ یارانِ طریق' کے عناوین دے دیے گئے۔ البتہ یہاں باقیاتِ ارمغانِ حجاز ترتیب دیتے ہوئے اقبال کی دوبیتیوں کو ان کے ابتدائی طور پر وضع کیے گئے تین حصوں میں ہی نقل کیا گیا ہے تاکہ وہ اصل صورت سے قریب تر رہیں۔ علاوہ ازیں اس باقیاتِ شعر میں وہ دوبیتیاں بھی شامل کر دی گئی ہیں جن کا ایک آدھ مصرع ہی شاملِ اشاعت ہوا اور ایسے مصرعوں کی حواشی میں نشاندہی کی گئی ہے کہ وہ مطبوعہ صورت میں کس حصے میں موجود ہے۔ حاشیوں میں جہاں کہیں مطبوعہ نسخے کا حوالہ درج کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے وہاں ارمغانِ حجاز کے اولین مطبوعہ نسخے (نومبر ۱۹۳۸ء) ہی سے استفادہ کیا ہے، نیز باقیات کی دوبیتیوں کو نقل کرتے ہوئے بیاض کا املا اختیار کیا گیا ہے۔

متنِ باقیات

حضورِ حق

بروے کافراں را در کشادی
بنائے کارِ شاں محکم نہادی
بگو با من کہ آخر ایں چہ راز است
مسلماں را دمِ آبے ندادی(۱)

دلِ ما را بحکمِ دلبری گیر
خدائی را بہل پیغمبری گیر
مقامِ مصطفیٰ را خود بدانی
ازاں سلطاں رعیت پروری گیر(۲)

گرفتم اینکہ فکرم بے خطا نیست
کمندِ نالہ ہاے من رسا نیست
گرفتم اینکہ خاکِ رہگذارم
دلے دارم کہ شایانِ فنا نیست! (۳)

حضورِ رسالتؐ

گرہ از کارِ ہر ملت کشادند
بنائے کاخِ او محکم نہادند
ز ہندی لا الٰہ خوانے چہ سرزد
بشاخِ آشیاں او را ندادند! (۴)

خنک پروازِ آں مرغِ سبک بال
کہ بر شاخِ درختے کم نشیند
ز اوجِ چرخِ نیلی اندریں دشت
مدام آں سبز گنبد را ببیند! (۵)

حکیمے نے کہ سازد نوشے از نیش
کلیمے نے کہ کارے را برد پیش
غلامی گرچہ شیراں را کند میش
ز افرنگی بنالم بلکہ از خویش! (۶)

تو از ہندی مسلماں خود بدانی
کہ ہر تقدیر را نانوشتہ خوانی
غلام و بے یقین و از خودی دور
مبارکباد مرگِ ناگہانی! (۷)

درین صحرا متاعِ کاروانے
نیرزد با نوائے سار بانے!
خیالم در فضائے بے کرانش
مثالِ طائرِ بے آشیانے!(۸)

نگفتی مردِ حق را پیشہ اوست
بگویم ماسوا در ریشہ اوست
جہاں دم را کشید اندر کہ گوی
فرنگی خفتہ در اندیشہ اوست!(۹)

بچشمِ دین و دانش کم عیارے
بمیدانِ عمل نا استوارے
ز خود نومید و بے توفیق و کم کوش
کشادے جوید از خاکِ مزارے!(۱۰)

کس از نورِ یقیں روشن جبیں نیست
بچشمِ کس نگاہِ دلنشیں نیست
بسا راہی کہ از سرمستیٔ شوق
بره اُفتاد و مردِ راہ بیں نیست!(۱۱)

فروغِ انجمن از نورِ جاں نیست
غمِ ما جز غمِ سُود و زیاں نیست
دلم سُوزد بآں راہی کہ نالید
"بگویش راہ ہست و راہ داں نیست"(۱۲)

نہاں در جیب ہر سُودش زیان است
لب او شکوہ سنج آسمان است
بہ آں مرغے کہ پروردی بانجیر
ز خاکے دانہ برچیدن گران است(۱۳)

فروغِ سینۂ روح الامیں بخش
شکوہِ فقر و سلطانِ مبیں بخش
بآں قومے کہ افتاد از مقامش
جلالِ لا احب الآفلیں بخش!(۱۴)

سرودم از مقام و منزلِ او
کشادم زخمہ اندر گِلِ او
دریں عصرے کہ یزداں ناشناس ست
غمِ دیں را نہادم در دلِ او(۱۵)

دلِ او بے گداز صبحگاہی است
کہ ایں سالک بخوابِ خانقاہی است
نگاہِ جلوہ مستِ من غلط کرد
براہش دیدم و گفتم کہ راہی است(۱۶)

دمے از خویشتن فارغ نبودم
بہ نشترِ ضمیرِ خود کشودم
چو برق اندر ظلامِ خویش دیدم
نوائے را کہ از قرآں سرودم!(۱۷)

حضورِ ملّت

قلندر بندۂ خلوت نشین است
سراپایش نگاہِ نکتہ بین است
مشو در پیچ و محکم گیر دیں را
حصارِ تو دریں بت خانہ دین است(۱۸)

گرفتم پیرِ ہندی بایزید است
نگاہش گنجِ معنی را کلید است
ہلالی از فسونِ او صلیبی است
کہ او پیرِ کلیسا را مُرید است(۱۹)

ترا ایں زیرِ لب گفتن نشاید
درودِ تو بگوشِ من نیاید
بزمِ شوق نامش فاش تر خواں
کہ نامِ دلبراں مستی فزاید!(۲۰)

بہشتِ یورپ آزارے ندارد
گلش از کاغذ و خارے ندارد
ولیکن آں بہشت اندر جہاں نیست
کہ آدم دارد و یارے ندارد(۲۱)

ز دستِ خود بنہ ایں چنگ و نے را
مگیر از شیشۂ افرنگ مے را
اگر مردی نصیبے گیر ازاں فقر
کہ از جامی برد کاؤس و کے را!(۲۲)

فرنگی کارپرداز جہان است
خداوندِ زمین و آسمان است
مگر خاصانِ اُو چوں کاغذِ باد
عروجِ شان بطولِ ریسمان است! (۲۳)

تنِ شاں را ز جانے بیشتر نیست
کہ در ظرفِ بدن یک جاں بگنجد
ولے دارد ضمیرِ شاں کشادے
کہ اندر وے دو صد شیطاں بگنجد (۲۴)

صبا از من بگو مردِ عجم را
کہ چوں نادر شناسد کیف و کم را
گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ نیست
کسے کو داند اسرارِ حرم را! (۲۵)

بجز آں فقرے کہ اصلِ اُو حجازی است
ہمہ رقص و سرود و خرقہ بازی است
خراج از پادشاہاں گیرد ایں فقر
نخستیں منزلِ او بے نیازی است (۲۶)

بیاموز اے شہیدِ عشوۂ سرد
ز خسرو درد و سوزِ آشنائی
رموزِ بندگی از غزنوی گیر
ز روی بندگی با کبریائی (۲۷)

جہانگیری فریبد ہر یکے را
دو سلطاں اندریں عالم نگنجد
نزاعِ پیشوایاں را بہ عذر
کہ در شہرے دو شیطاں ہم نگنجد (۲۸)

چساں مجبور گویم خویشتن را
وجودِ خود ز خود نتوان ربودن
اگر گویم کہ مختارم، نزیبد
گواہِ عصمتِ ابلیس بودن! (۲۹)

سیاست گر ہماں جانے کہ مائیم
بظرفِ یک بدن یک جاں بگنجد
ولے دارد ضمیرِ اُو کشادے
کہ اندر وے دو صد شیطاں بگنجد (۳۰)

ازاں دینِ تو جز تقلید و ظن نیست
کہ فکرِ تو چراغِ انجمن نیست
بیا نقشِ نوی افگن کہ بے او
کشادے اندریں دیرِ کہن نیست! (۳۱)

زمین و آسماں اندر دلِ ماست
دو صد عالم نہاں اندر دلِ ماست
بداند آنکہ غلطد در دلِ خویش
مکان و لامکاں اندر دلِ ماست! (۳۲)

خوش آں مردے کہ تن را عین جاں کرد
بجاکش آنچہ می بایست آں کرد
اگر دانی سرشتِ ایں کفِ خاک
حریفِ کہ بہ کمرش می تواں کرد!(۳۳)

مقامِ مصطفیٰ سِرِّ الٰہی است
بدست آوردنش والانگاہی است
خلافت نے شہنشاہی است نے فقر
خلافت اختلاطِ فقر و شاہی است(۳۴)

سُرودِ زندگی اندر غمِ تست
مسلماں زادہ محتاجِ دمِ تست
سبوے صوفی و مُلّا تہی شد
نمِ ایں ریگ زار از زمزمِ تست(۳۵)

ز آئینِ نوی در کشورِ ہند
جہانے دیگرے ایجاد کردند
غلامے را کہ مُرد اندر شکنجہ
دُعا گفتند و نیم آزاد کردند(۳۶)

بہار آمد ہزاراں غنچہ بشگفت
کشادِ غنچۂ دل ایں چنیں نیست
دمِ صاحب دلے باید دلے را
کہ اُو را رنگ از فردوس نیست!(۳۷)

دگر اے دل بذکرِ نیم شب خیز
جہانے از کفِ خاکے برانگیز
یکے اندر کمینِ خویش بنشیں
شبخوں بر درونِ خویشتن ریز! (۳۸)

من از زناریاں دارم شگفتے
کہ در بت خانہ ھا باہم ستیزند
نمی خواہند "شوور" سجدہ آرد
بمعبودے کہ خود از وے گریزند (۳۹)

کمالِ زندگی در خود رسیدن
بچشمِ خویش خود را فاش دیدن
نگہداری اگر تقدیرِ خود را
تواں در خانہ قوے آفریدن! (۴۰)

شنیدم مرگ پیشِ حق بنالید
دو صد عالم بغارت دادہ ام من
حیاتِ جاوداں دہ خاکیاں را
کہ از پیری ز کار افتادہ ام من (۴۱)

کفِ خاکے اگر روشن بصر نیست
جہاں او را بجز شام و سحر نیست
حزیں مانند نرگس اندریں خاک
سراپا چشم و توفیقِ نظر نیست (۴۲)

چو بر فردا رسد ایں کارخانہ
غمِ امروز می گردد فسانہ
بپے شب می رود صبح جہانتاب
غنیمت داں تگاپوئے زمانہ! (۴۳)

حکایت از شکستِ جامِ جم گوے
حدیثِ بود و نابودِ اُمم گوے
اگر خواہی سخن از خود نگوئی
بخود نامُردہ بے از خویش کم گوے (۴۴)

جبینِ پادشاہاں بر درش بہ
ز وحشورِ کساں دانشورش بہ
جہانگیر و غنی از ہر دو عالم
جہانِ چار سُو اندر برش بہ! (۴۵)

چساں کارِ خود ایں ناداں بُرد پیش
بہر کس آشنا بیگانہ از خویش!
زبانش تیز و چشمش خالی از نم
دلش تاریک و فکرِ اُو کج اندیش! (۴۶)

مسلمانی حضور است و سرور است!
مسلمانی ہمہ نور و ظہور است!
مسلماں زاد و کافر مُرد آں قوم
کہ جانش بے سُرور و بے حضور است! (۴۷)

دویدن تا کجا دنبالِ محمل
بجوشِ خونِ دل از پیمانهٔ دل
مکن از حاکماں دریوزهٔ رزق
نخستیں خوے مکوی فرومل! (۴۸)

ہزاراں نکتہ از قرآں سرودی
حجاب از روے ہر پنہاں کشودی
مرنج از حرفِ گستاخانهٔ من
اگر گویم نہ آنستی کہ بودی! (۴۹)

چہ شیطانے کہ اصلش از فرنگ است
چہ شیطانے کہ شہدِ اُو شرنگ است
شکوہے در گناهِ تو نہ بینم
کہ شیطانِ تو بے ناموس و ننگ است (۵۰)

ندارد ایں فقیرِ رہ نشینے
فروغے از نواے آتشینے
چراغے اندرونِ سینهٔ اوست
ز اُمیدے کہ زاید از یقینے (۵۱)

تو اے ناداں بداماتش در آویز
شرارے زیں کفِ خاکے برانگیز
بگیر از من کہ دیگر با تو بخشد
نگاہے مثلِ شمشیرِ علی تیز! (۵۲)

دلے روشن نہادے اندریں خاک
نروید جُز بفیضِ چشمِ نمناک!
یتیمے را دلِ روشن نہادے
ز مسجد می برد آنسوے افلاک!(۵۳)

نماند عصرِ حاضر رمزِ دیں را
خدا اندر حریمِ اُو غریبے!
مسیحش از مُریدانِ پلاطوس
ز معراجِ چلیپا بے نصیبے!(۵۴)

قلندر آں سبک گامِ گراں بار
ز غیر آزادہ و در خود گرفتار
شنیدم بر درِ مسجد بنالید
جماعت مُردہ و محرومِ دیدار!(۵۵)

قلندر بر درِ مسجد بنالید
ز دینِ ایں مسلماں کافری بہ
اگر دریا طرزد از شکوہش
ز اعجازِ کلیسی ساحری بہ!(۵۶)

دل اندر سینۂ اُو مُرد و دیں مُرد
بجانش جلوۂ روح الامیں مُرد
ز دردِ اُو چہ گویم با کہ گویم
کہ آں بے دولت از ضعفِ یقیں مُرد!(۵۷)

بداماں خودی آویز و برخیز
مئے باقی بساغر ریز و برخیز
فقیری با شہنشاہی در افتاد
جنوں را با خرد آمیز و برخیز! (۵۸)

بمکتب گر نہ پروردی خودی را
چنیں دانش نیرزد با جُلِ خر
ادب ناخوردہ طفلے سخت کوشے
بہ از طفلے کہ بگذشت از جُلِ خر! (۵۹)

تنِ کس را ز جاں محرم ندیدم
جوانے زندہ و پُر دم ندیدم
دلِ بے غم وجودم را نگہ دار
کہ من ایں جا دلِ بے غم ندیدم! (۶۰)

دریں صحرا دلِ دیوانہ نیست
برودِ نالۂ مستانہ نیست
بیفگن تا کسے بر آتشِ شوق
چراغِ لالہ را پروانہ نیست! (۶۱)

مسلماناں! چو یاد آرم بلرزم
قلندر بر درِ حق ایں صدا زد
ہنوز آں شعلہ در دوزخ نہ بینم
کہ سوزِ او دلِ مُلّا گدازد! (۶۲)

اقبالؒ کے دیگر مجموعہ ہائے کلام کی بیاضوں کی طرح ارمغانِ حجاز کی بیاض میں بھی جا بجا قطع و برید نظر آتی ہے۔ باقیات و متروکات کی دوبیتیوں میں کی گئیں ترمیمات و اصلاحات بھی علامہ کی مشاقیِ سخن پر دلالت کرتی ہیں۔ بیاض کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قلمزد ۶۲ دوبیتیوں کے ۲۸ مصرعوں میں میں کاٹ چھانٹ کی گئی ہے۔ ذیل میں پیش کردہ باقیاتِ ارمغانِ حجاز (فارسی) کی چند دوبیتیوں کے ایسے مصرعوں یا مصرعوں کے کچھ حصوں کی اولین اشکال پیش کی جاتی ہیں، جن میں ایک دو لفظوں کے علاوہ زیادہ حصوں میں بھی ترمیم کی گئی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

ابتدائی شکل	ترمیم شدہ شکل
(۱) رہ و رسمِ مقامِ دلبری گیر (۱۱) طریقِ میر و رسمِ دلبری گیر	دلِ ما را بحکمِ دلبری گیر (ص۳۹)
بنائے کاخِ شاں محکم نہادند	بنائے کاخِ او محکم نہادند (ص۹)
میانِ حلقہ آں آہ و فغاں نیست	فروغِ انجمن از نورِ جاں نیست (ص۴۰)
سخن از عشق و مستی درمیاں نیست	غمِ ما جز غمِ سود و زیاں نیست (ایضاً)
(۱) دلم سوزد بآں راہی کہ نالید (۱۱) دلم سوزد بآں راہی کہ می گفت	دلم سوزد بآں راہی کہ نالید (ایضاً)
ہنوز اندر طلسمِ خانقاہی است	کہ ایں سالک بخوابِ خانقاہی است (بیاض، ص:۴۴)
درونِ سینہ تا دریافتم من	چو برق اندر ظلامِ خویش دیدم! (بیاض، ص:۴۷)
گرفتم پیرِ ما خود بایزید است	گرفتم پیرِ ہندی بایزید است (بیاض، ص:۱۰)

ازاں پیرے مریداں را چہ امید — ہلالی از فسونِ او صلیبی است
(ایضاً)

کہ خود پیرِ کلیسا را مرید است! — کہ او پیرِ کلیسا را مرید است
(ایضاً)

ولے پیغمبرش چوں کاغذِ باد — مگر خاصانِ او چوں کاغذِ باد
(بیاض،ص:۳۳

کہ معراجش بطولِ ریسمان است — عروجِ شاں بطولِ ریسمان است!
(ایضاً)

تنِ شاں را ز یک آنے بیشتر نیست — تنِ شاں را ز یک جانے بیشتر نیست!
(ایضاً)

بظرفِ یک بدن یک جاں نگنجد — کہ در ظرفِ بدن یک جاں نگنجد
(ایضاً)

صبا از من بگو مردِ حرم را — صبا از من بگو مردِ عجم را
(ایضاً)

حضورِ او ز مجبوری سرودن! — چساں مجبور گویم خویشتن را
(بیاض،ص:۳۴

نہ بیند خویش را از خود ربودن — وجودِ خود ز خود نتواں ربودن
(ایضاً)

بداند آنکہ غلطد در ضمیرش — بداند آنکہ غلطد در دلِ خویش
(بیاض،ص:۳۶

نمی خواہند شودر، پا گذارد — نمی خواہند شودرِ سجدہ آرد
(ص۳۹

دراں دیرے کہ خود از وے گریزند — بمعبودے کہ خود از وے گریزند
(ایضاً)

بجانش در نیاید نکتۂ شوق — زبانش تیز و چشمش خالی از نم
(ص۴۵

مرنج از حرف بے باکانۂ من ــــ مرنج از حرف گستاخانۂ من
(ص ۴۶)

دلے اندر ضمیرِ ایں کفِ خاک ــــ دلے روشن نہادے اندریں خاک
(بیاض، ص:۴۹)

تپیدے را سرشکِ صبحگاہی ــــ تپیدے را دلِ روشن نہادے
(ایضاً)

نہ دانش دستیاب ایں جا نہ دیدار! ــــ جماعت مردہ و محرومِ دیدار!
(بیاض، ص:۴۹)

بدن ھا را ز جاں محرم ندیدم ــــ تنِ کس را ز جاں محرم ندیدم
(بیاض، ص:۵۰)

دلِ بے غم وجودِ خود نگہ دار ــــ دلِ بے غمِ وجودم را نگہ دار
(ایضاً)

من ایں جا یک دلِ بے غم ندیدم! ــــ کہ من ایں جا دلِ بے غم ندیدم!
(ایضاً)

حواشی:

- بیاض ارمغان حجاز: ص۴۹۔اس دو بیتی کا دوسرا مصرع ارمغانِ حجاز کے تیسرے حصے 'حضورِ ملت' میں 'ترکِ عثمانی' کے زیرِ عنوان اس شکل میں موجود ہے: ع بنائے کارشاں دیگر نہادند۔دیکھیے ارمغانِ حجاز، مطبوعہ شیخ اشرف پرنٹرز، طبع اول، ۱۸ نومبر ۱۹۳۸ء، ص ۱۳۹ــــ نیز اسی دو بیتی کا مصرعِ سوم بعینہٖ 'حضورِ رسالتؐ' کی ایک دو بیتی کا چوتھا مصرع ہے، ملاحظہ کیجیے: ارمغان حجاز، ص۶۸
- بیاض، ص۴۹
- ایضاً، ص۵۶
- ایضاً، ص۹۔اس دو بیتی کا مصرع دوم قدرے مختلف شکل میں ارمغانِ حجاز میں یوں شامل ہے۔ع بنائے کارشاں دیگر نہادند۔دیکھیے: ارمغانِ حجاز طبع اول، ص ۱۳۹
- بیاض، ص۴۹

۶۔ اولاً اس دوبیتی کا پہلا بیت، دوسرا اور دوسرا بیت پہلا تھا۔ بعدازاں اقبالؒ نے اس میں ترمیم کی، دیکھیے: بیاض، ص۳۳

۷۔ بیاض، ص۳۶

۸۔ بیاض، ص۳۶۔ اس دوبیتی کو اقبالؒ نے بیاض میں مسترد نہیں کیا اس کے باوجود یہ مطبوعہ نسخوں میں موجود نہیں۔

۹۔ بیاض، ص۳۶

۱۰۔ بیاض، ص۳۹، اس دوبیتی کو بھی اقبالؒ نے قطع نہیں کیا مگر یہ شاملِ اشاعت نہ ہو سکی۔

۱۱۔ بیاض، ص۴۰

۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ اقبالؒ نے بیاض میں اس دوبیتی کو منسوخ نہیں کیا لیکن یہ بھی شائع نہ ہوئی، نیز اس کے ساتھ یہ مختصر تلمیحی اشارہ بھی موجود ہے: لا احب الافلین: تلمیح با آیہ قرآن، دیکھیے: بیاض، ص۴۲، واضح رہے کہ یہ دوبیتی مکمل شکل میں تو طبع نہ ہو سکی تاہم اس کا مصرع سوم 'حضور رسالت' کی ایک دوبیتی میں اس صورت میں موجود ہے: ع براں مرغے کہ پروردی بانجیر۔ دیکھیے: ارمغان حجاز، طبع اول، ص۴۷۔

۱۴۔ لا احب الافلین: تلمیح با آیہ قرآن (الف) بیاض، ص۴۵۔ اقبالؒ نے اس دوبیتی کو مسترد نہیں کیا لیکن یہ نہ چھپی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بیاض میں یہ دوبیتی تین مختلف صورتوں میں موجود ہے۔ دوسرے دو مقامات پر اقبالؒ نے اسے قطع کر دیا۔ یہ منسوخ اشکال کچھ یوں ہیں:

شکوہِ فقر و سلطانِ مبیں بخش فروغِ طلعتِ روح الامیں بخش
بآں قومے کہ حق رفت از ضمیرش مقامِ لا احب الآفلیں بخش
(بیاض، ص۴۳)

شکوہِ فقر و سلطانِ مبیں بخش مقامِ لا احب الآفلیں بخش
چو سلماں می نواز ایں اعجمی را خیالش را پرِ روح الامیں بخش
(بیاض، ص۴۴)

گویا یہ دوبیتی بیاض میں تین بار منقول ہوئی لیکن ایک بار بھی مطبوعہ نسخے میں جگہ نہ پا سکی۔

۱۵۔ بیاض، ص۴۴

۱۶۔ ایضاً، ص۴۴۔ یہ دوبیتی بھی مُکرر درج نہ ہونے کے باوجود شائع نہ ہو سکی۔

۱۷۔ ایضاً، ص۴۷

۱۸۔ ایضاً،ص۱۰

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ ایضاً،ص۲۷

۲۱۔ ایضاً،ص۲۹

۲۲۔ ایضاً،ص۳۲

۲۳۔ ایضاً،ص۳۳

۲۴۔ ایضاً۔

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ ایضاً۔

۲۷۔ ایضاً۔

۲۸۔ ایضاً،ص۳۴

۲۹۔ ایضاً،ص۳۴۔اس دوبیتی کو بھی رد نہیں کیا گیا مگر یہ چھاپی نسخوں میں شامل نہ ہوئی۔

۳۰۔ ایضاً،ص۳۴

۳۱۔ ایضاً،ص۳۶

۳۲۔ ایضاً۔

۳۳۔ ایضاً۔

۳۴۔ ایضاً۔

۳۵۔ ایضاً،ص۳۷

۳۶۔ ایضاً،ص۳۷۔اقبال نے اس دوبیتی کو قلمزد نہیں کیا مگر یہ کہیں شائع نہ ہوئی۔

۳۷۔ ایضاً،ص۳۷

۳۸۔ ایضاً،ص۳۸

۳۹۔ ایضاً،ص۳۹

۴۰۔ ایضاً۔

۴۱۔ ایضاً،ص۴۰

۴۲۔ ایضاً۔

۴۳۔ ایضاً،ص۴۳

۴۴۔ ایضاً۔

۴۵۔ ایضاً۔ اس دوبیتی کا مصرع چہارم قدرے تغیر کے ساتھ مطبوعہ نسخے میں 'حضورِ رسالت' کے تحت لکھی گئی ایک دوبیتی میں یوں نظر آتا ہے: ع جہانِ چار سُو اندر بَرِ من، دیکھیے: ارمغانِ حجاز، طبع اول، ص ۳۷

۴۶۔ ایضاً، ص ۴۵

۴۷۔ ایضاً۔

۴۸۔ ایضاً۔

۴۹۔ ایضاً، ص ۴۶

۵۰۔ بیاض میں اس دوبیتی کے ساتھ یہ مختصر حاشیہ بھی ہے: 'شرنگ۔ زہر' دیکھیے: بیاض، ص ۴۶۔

۵۱۔ ایضاً، ص ۴۷۔ اس دوبیتی کا پہلا مصرع مطبوعہ نسخے میں مختلف شکل میں 'حضورِ رسالت' کی ایک دوبیتی میں یوں ہے: ع زسوزِ ایں فقیرِ رہ نشینے، جبکہ چوتھا مصرع ہو بہو اسی دوبیتی کا مصرع چہارم ہے، ملاحظہ کیجیے: ارمغانِ حجاز، طبع اول، ص ۵۵

۵۲۔ ایضاً، ص ۴۸

۵۳۔ ایضاً، ص ۴۹۔ یہ دوبیتی بھی قلمزد نہیں کی گئی مگر کسی مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں۔

۵۴۔ ایضاً، ص ۴۹

۵۵۔ ایضاً۔

۵۶۔ ایضاً۔

۵۷۔ ایضاً۔

۵۸۔ ایضاً۔

۵۹۔ اس دوبیتی کے ساتھ یہ حاشیہ بھی رقم ہے: ''پلِ خر: اقلیدس کے مقالۂ اول کی ایک شکل جس کو عربی میں شکلِ حماری اور انگریزی میں Ass Bridge (گدھے کا پل) کہتے ہیں۔ شکل حماری بھی شاید اسی کا نام ہے۔ یہ شکل طلبہ کے لیے مشکل سمجھی جاتی ہے۔'' دیکھیے: بیاض، ص ۵۰

۶۰۔ بیاض، ص ۵۰

۶۱۔ ایضاً، ص ۵۱

۶۲۔ ایضاً، ص ۵۶

☆

کتابیات

اردو:

آفاق احمد(مرتب):اقبال آئینہ خانے میں،بھوپال:مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی ۱۹۷۹ء

آل احمد سرور(مرتب)اقبال اور اردو نظم،سری نگر:اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی،طبع اول ۱۹۸۶ء

انور سدید،ڈاکٹر(مرتب):اقبال شناسی اور اوراق،لاہور:بزمِ اقبال ۱۹۸۹ء

بشیر الحق دیسنوی:تبرکاتِ اقبال،دہلی:کوہ نور پریس،اپریل ۱۹۵۹ء

بیدار ملک(مرتب):اقبال شناسی اور افشاں،لاہور:بزمِ اقبال،طبع اول ۱۹۸۸ء

جابر علی سید:اقبال__ ایک مطالعہ،لاہور:بزمِ اقبال،طبع اول ۱۹۸۵ء

حفیظ صدیقی،ابوالاعجاز:اوزانِ اقبال،لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۸۲ء

:کشافِ تنقیدی اصطلاحات،اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،طبع دوم ۱۹۸۵ء

خواجہ محمد زکریا،ڈاکٹر:اقبالیات چند نئی جہات،لاہور:خزینۂ علم وادب ۲۰۰۱ء

خورشید رضوی،ڈاکٹر:اطراف،لاہور:اردو اکیڈمی پاکستان ۲۰۰۳ء

رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر:اقبال بحیثیت شاعر(مرتبہ)لاہور:مجلس ترقی ادب،طبع اول ۱۹۷۷ء

:تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،طبع دوم ۲۰۰۱ء

:اقبالیات: تفہیم و تجزیہ لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،۲۰۰۴ء

سلام سندیلوی،ڈاکٹر:اُردو رُباعیات،لکھنؤ:نسیم بک ڈپو لاٹوش روڈ،طبع اول ۱۹۶۳ء

سید سلیمان ندوی،علامہ:خیام،کراچی:اردو اکیڈمی سندھ،طبع اول(پاکستان)۱۹۸۸ء

شمیم احمد:اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں،بھوپال:انڈیا بک امپوریم،طبع اول ۱۹۸۱ء

شیخ عطاءاللہ:اقبالنامہ،حصہ اول ودوم،لاہور:شیخ اشرف پرنٹرز،س ن

شیرانی، حافظ محمود:مقالاتِ حافظ محمود شیرانی، ج۵، لاہور:مجلس ترقی ادب، طبع اول ۱۹۷۰ء

صدیق جاوید،ڈاکٹر:بالِ جبریل کا تنقیدی مطالعہ،لاہور:یونیورسل بکس ۱۹۸۷ء

طاہر تونسوی، ڈاکٹر (مرتب): اقبال شناسی اور نیرنگِ خیال، لاہور: بزمِ اقبال ۱۹۹۳ء
عابد علی عابد، سید: اصولِ انتقاد ادبیات، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم ۱۹۶۶ء
: نفائسِ اقبال (مرتبہ) شیما مجید، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول ۱۹۹۰ء
عبدالسلام ندوی، مولانا: اقبالِ کامل، لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، طبع اول ۱۹۸۸ء
عبدالشکور احسن، ڈاکٹر: اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع دوم ۲۰۰۰ء
عندلیب شادانی: تحقیقات، بریلی: جلیل اکیڈمی، طبع اول ۱۳۵۰ھ
: تحقیق کی روشنی میں، کراچی: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع اول ۱۹۶۳ء
عنوان چشتی، ڈاکٹر: معنویت کی تلاش، مظفرنگر (یوپی): رنگ محل پبلی کیشنز ۱۹۸۳ء
فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: اُردو رباعی، کراچی: مکتبہ سنگ میل، ۱۹۶۲ء
: تحقیق و تنقید، کراچی: ماڈرن پبلشرز، طبع اول ۱۹۶۳ء
کیفی، پنڈت دتاتریہ: کیفیہ، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، طبع دوم ۱۹۵۰ء
گیان چند جین، ڈاکٹر: ابتدائی کلام اقبال__ بہ ترتیب ماہ و سال، کراچی: شائستہ پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۸ء
محمد اقبال، علامہ: ارمغانِ حجاز، لاہور: شیخ اشرف پرنٹرز، نومبر ۱۹۳۸ء
کلیاتِ اقبال (اردو)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۲ء
محمد حنیف شاہد: اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام، لاہور: کتب خانہ انجمن حمایت اسلام، جولائی ۱۹۷۶ء
محمد رفیق افضل: گفتارِ اقبال، لاہور: ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، دانشگاہِ پنجاب، طبع اول جنوری ۱۹۶۹ء
محمد ریاض، ڈاکٹر: اقبال اور فارسی شعرا، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول ۱۹۷۷ء
محمد عبداللہ قریشی، ڈاکٹر: حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں، لاہور: بزمِ اقبال، طبع اول ۱۹۸۲ء
محمد عبداللہ قریشی و عبدالواحد معینی (مرتبین): باقیاتِ اقبال، لاہور: آئینۂ ادب، طبع سوم ۱۹۷۸ء
مصلح الدین سعدی (مرتب): چشمۂ آفتاب، انڈیا: اقبال اکیڈمی حیدرآباد، طبع اول ۱۹۸۲ء
مظفر حسین برنی (مرتب): کلیاتِ مکاتیب اقبال، ج ۲، ترتیب پبلشرز، س ن
نجم الغنی رامپوری، مولوی: بحر الفصاحت (طبع نو)، ج ۱، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۸ء
وقار عظیم، سید: اقبال، شاعر اور فلسفی، لاہور: ادارۂ تصنیفات ۱۹۶۷ء

فارسی:

اسعاد عبدالہادی قندیل: فنونِ شعرِ فارسی، (ترجمہ) فاطمہ سوہا نظر، طبع دوم ۱۹۸۱ء
بابا طاہر عریاں: دیوان کامل بی نظیر بابا طاہر عریان ہمدانی بکوشش وحید دستگردی
تہران: انتشارات کتاب فروشی ادب، طبع سوم ۱۳۳۱
حسن انوشہ: دانشنامہ ادبِ فارسی (۲)، تہران: موسسہ آسیای مرکزی ۱۳۷۵
حسین رزمجو، ڈاکٹر: انواعِ ادبی، ایران: موسسہ چاپ و انتشارات آستان قدس رضوی، طبع
اول ۱۳۷۰
رضازادہ شفق، ڈاکٹر: تاریخِ ادبیاتِ ایران، تہران: موسسہ چاپ و انتشاراتِ امیر کبیر ۱۳۴۲
زین العابدین مؤتمن: تحولِ شعرِ فارسی، ایران: کتاب خانہ طھوری، طبع چہارم ۱۳۷۱
سیروس شمیسا، ڈاکٹر: سیر رُباعی در شعر فارسی، ایران: انتشارات فردوس، طبع دوم ۱۳۷۴
شمس قیس رازی: المعجم فی معاییر اشعار العجم بکوشش سیروس شمیسا، تہران: انتشارات
فردوس، چاپخانہ رامین، طبع اول ۱۳۷۳ھ
فقیر، شمس الدین: حدائق البلاغۃ (مع ترجمہ) امام بخش صہبائی، لکھنؤ: مطبع منشی نولکشور ۱۸۴۲
: حدائق البلاغۃ، کانپور: مطبع نامی منشی نولکشور ۱۸۸۷ء
محمد اقبال، علامہ: ارمغانِ حجاز، لاہور: شیخ اشرف پرنٹرز، نومبر ۱۹۳۸ء
: کلیاتِ اقبال (فارسی)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ششم ۱۹۹۰ء
: کلیات اقبال (فارسی)، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۹۰ء
محمد خزائلی و حسن سادات ناصری: بدیع و قافیہ، ایران: موسسہ مطبوعاتی امیر کبیر، طبع اول ۱۳۳۴
محمد کامگار پارسی: رُباعی و رُباعی سرایان، تہران: دانش گاو تہران ۱۳۷۲ھ
منصور رستگار فسائی، ڈاکٹر: انواعِ شعر فارسی، شیراز: انتشاراتِ نوید، طبع اول ۱۳۷۲
میمنت میر صادقی: واژہ نامۂ ہنر شاعری، تہران: کتاب مہناز، طبع دوم ۱۳۷۶
نصیر الدین، مولوی: عروضِ سیفی، لاہور: شیخ مبارک علی تاجر کتب، طبع اول ۱۹۳۲ء

انگریزی:

Browne, Edward G: ***A Literary History of Persia***, vol:2, London: Cambridge University Press, 1964.

فرہنگیں/لغات:

ابوالقاسم پرتو (مولف): فرہنگ واژہ یاب، ج ۲، ایران: انتشارات اساطیر، طبع اول ۱۳۷۳ھ

حییم، سلیمان (مولف): فرہنگ جامع (فارسی ـ انگلیسی)، ج ۱، تہران: کتابفروشی یہود ابروخیم، ۱۳۳۰

عبدالحق و ابوالیث صدیقی (مولفین): اُردو لغت (تاریخی اصول پر)، ج ۱۰، کراچی: اُردو ڈکشنری بورڈ، ۱۹۸۳ء

علی اکبر دہخدا (مولف): لغت نامۂ دھخدا، زیر نظر محمد معین و سید جعفر شہیدی، شمارۂ مسلسل: ۸۸، تہران: دانشگاہ تہران، ۱۳۴۰ھ ـ ش

محمد التونجی، ڈاکٹر (مولف): المعجم الذھبی (فارسی ـ عربی)، بیروت: دارالعلم للملایین، طبع اول ۱۹۶۹ء

محمد بہشتی (مولف): فرہنگ صبا، ایران: انتشارات صبا، سال ۷۲

محمد پادشاہ (مولف): فرہنگ آنند راج بکوشش محمد دبیر سیاقی، ج ۲، تہران: انتشارات کتاب خانہ خیام ۱۳۳۶

محمد معین، ڈاکٹر (مولف): فرہنگ فارسی معین، ج ۲، ۳، تہران: موسسہ انتشارات امیر کبیر ۱۳۵۳

رسائل:

اورینٹل کالج میگزین (حصہ اول) لاہور: ج ۱۶ فروری ۱۹۴۰ء

فنون (سہ ماہی)، لاہور: شمارہ ۱۱۹، جنوری ـ اپریل ۲۰۰۳ء

مکالمہ، کراچی: اکادمی بازیافت، شمارہ ۱۱، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۳ء

بیاض:

بیاض ارمغانِ حجاز مملوکہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

☆☆☆

بیاض کے چند اوراق



29

30

[illegible]

31

[illegible]

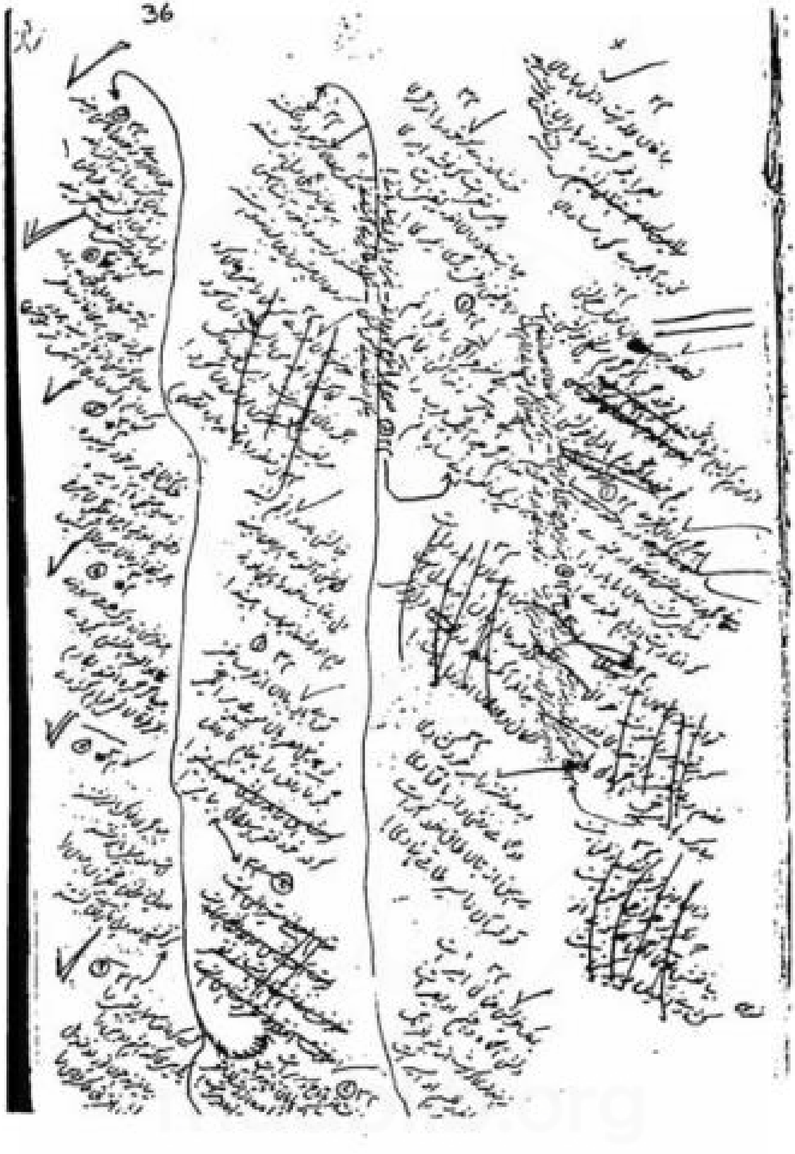
32

[illegible]



ص

[illegible]


36

37



[illegible]

٤١

[illegible]

ڈاکٹر بصیرہ عنبرین میری رائے میں غالب اور اقبال پر علمی کام کرنے کی پوری استعداد رکھتی ہیں، اس لیے کہ انھیں اردو زبان کے ساتھ فارسی پر بھی ماہرانہ دسترس حاصل ہے۔ جن اردو سکالرز نے ان دونوں موضوعات پر کام کیا ہے اور فارسی میں کورے تھے، ان کی گرفت میں یہ دونوں شاعر نہیں آسکے۔ ڈاکٹر بصیرہ نے اقبال کو موضوع خاص کے طور پر اختیار کیا ہے۔ ان کی پہلی کتاب اقبال کی تضمینوں پر تھی اور حق یہ ہے کہ فارسی کے بغیر کلام اقبال کی تخریج ممکن نہ تھی۔ انھوں نے بڑی مہارت کے ساتھ اس منزل کو طے کیا۔ اب انھوں نے ارمغانِ حجاز کو خاص طور پر مطالعے کے لیے منتخب کیا ہے۔ ان کی یہ کتاب اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس میں رباعی و دوبیتی اور اقبال کی دوبیتی پر مضامین کے ساتھ ارمغانِ حجاز کی بیاض کا اس مجموعے کے تین اہم مطبوعہ نسخوں سے تقابلی مطالعہ بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ ان متروکات کو بھی یکجا کر دیا ہے جو اس مجموعے میں شامل نہیں ہو پائیں۔ کلامِ اقبال پر عمومی جائزے تو بہت ہوئے ہیں لیکن اب تک ڈھنگ کا تحقیقی کام انگلیوں پر شمار کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر بصیرہ نے اس کتاب میں اقبالیات کے بعض نئے پہلوؤں اور لسانی امور کے تخصیصی گوشوں کو جس ماہرانہ انداز میں پیش کیا ہے، اس سے اقبالیات کے سرمائے میں قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی

کتاب سرائے
فون: 0092-42-37239884-37320318
kitabsaraay@hotmail.com

فضلی بک سپر مارکیٹ
فون: 32212991-32629724

MUHAMMAD AHSUN Gull